سائرہ رضا

سائرہ رضا

"ماؤں کے ارمان بدنام ہیں۔ ادھر ماں بے چاری کو کسی نے موقع ہی نہیں دیا۔ صاحب زادے کے اپنے ارمان ہی ختم ہونے کا نام نہیں لے رہے... بلکہ ارمان بھی کیا صاف صاف شرائط ہی کہیے۔" اماں جان کا لہجہ شکووں سے بھرپور اور جلا کٹا تھا۔

"تم زیادہ ہی برا مان گئی ہو... ہوتے ہیں اپنی لائف پارٹنر کے حوالے سے خیالات و تصورات... اور اس میں کوئی برائی بھی نہیں۔" ڈیڈ نے لبل ڈیڈ ہونے کا ثبوت دیا۔

"ہماری بیٹیاں نہیں ہیں تو اس کا مطلب یہ نہیں کہ ہم بے شرم بن جائیں۔ احساس ہی نہ کریں۔ دنیا کا مشکل ترین کام ہوتا ہے کہ کسی کے گھر جا کر کھائیں پییں امید دلائیں اور ہاتھ جھاڑ کر آجائیں۔"

"اللہ نہ کرے کہ ہم کسی بچی کی تضحیک یا دل آزاری کا باعث بنیں۔" ڈیڈ سنجیدگی سے سیدھے ہو بیٹھے۔ "خاموشی سے گردو پیش پر نظر دوڑایئے۔ ماشاء اللہ وسیع حلقہ احباب ہے اور ایک سے بڑھ کر ایک اچھی قابل بچیاں بھی ہیں۔"

"بالکل ہیں۔ ایک سے ایک اچھی... مگر آپ کے صاحب زادے کو فل پیکج چاہیے... ہائی کوالیفائیڈ... اچھے ادارے سے پڑھی لکھی بلکہ کہیں باہر کی بھی ڈگری لے رکھی ہو۔ عمر پچیس سے زیادہ نہ ہو۔ خوب صورت اتنی ہو کہ حور لگے۔ دراز قامت تو لازمی... خوش لباس ہو۔ ماڈرن بھی' شرمیلی بھی... سلیقہ شعار اصغری سی اور کھانے تو ایسے بنائے کہ انگلیاں چاٹتے رہ جائیں۔ مہمان نواز... خوش گفتار ایسی کہ بات کرے تو منہ سے پھول جھڑیں' اور بیٹھ کر گنگناتی رہے۔"

"اتنی تمہید کیوں باندھ رہی ہو۔ سیدھے سیدھے کہو۔ مارننگ شو ہوسٹ سے شادی کرنا چاہتا ہے' گدھا۔"

مکمل ناول

"لو جی۔ آپ صرف سن کر بھڑک اٹھے اور مجھے ڈھونڈنی ہے۔ تو کمبو دوائز کہہ کر گیا ہے۔ آنچ بھرنے سر کے گا۔" جو پریشانی پہلے اماں کے چہرے پر تھی اب

وہ ڈیڈ کے منہ سے بھی جھلکنے لگی۔

"اسے کہو خود ہی ڈھونڈ لے۔ ہم قبول کرلیں گے۔ اگر مل جاتی ہے تو۔ یعنی کہ حد ہوگئی۔ ایک ہم تھے، جو ماں نے لادی' خاموشی اور صبر سے قبول کرلی۔ گھونگھٹ کھولنے کے بعد شکل دیکھی۔ ہفتہ بھر تو بیگم کی شکل یاد کرنے میں لگ گیا۔ کتنی ہی خواتین کو بیگم سمجھ کر مخاطب کرلیا۔"

"ہیں۔ کیا؟" زور و شور سے سرہلاتی اماں جان نے شوہر کی گہرائی کو جب جانچا تو ہیں۔۔۔ ہیں کرتی رہ گئیں۔

✿ ✿ ✿

خود ڈھونڈنے والی ہدایت عاشر کو پریشان کرگئی۔ خود کیسے ڈھونڈے۔ کیا اخبار میں اشتہار دے۔ ٹی وی پر پٹی چلوادے؟

"تو تو خوش نصیب ہے جو کھلی چھوٹ مل گئی۔ ورنہ خود ڈھونڈ لینے والی بات پر تو ماؤں کو ہارٹ اٹیک ہوجاتے ہیں۔" ابوذر نے روشن پہلو دکھایا۔

"اور ہمارے گریٹ ڈیڈ نے تو نشان منزل بھی دے دیا۔ سیدھا سیدھا مارننگ شو ہوسٹ۔ ویسے مجھے نہیں پتا تھا۔ آپ اتنے انسپائرڈ ہیں مارننگ شو ہوسٹ سے۔۔۔"

تیمور نے بھی حصہ لیا۔ ابوذر نے زور و شور سے تائید" سرہلایا۔ عاشر کو پتنگے لگ گئے۔ اس نے کچھ کہنے کے لیے منہ کھولا ہی تھا مگر ابوذر کچھ کہہ رہا تھا چلو اس کی بھی سن لے۔

"بھئی اتنی خوبیوں کا مجموعہ مارننگ شو ہوسٹ ہوسکتی ہے۔ مگر وہ پچیس کی ہو یہ ناممکن ہے۔۔۔ ہاں وہ بار پچیس کی ہوسکتی ہے۔ تو پھر اتنی کوالٹیز کے بعد یہ چھوٹی سی کمی تو نظر انداز کی جاسکتی ہے؟ ابوذر نے دریا دلی کی حد کردی۔

"پچیس کی دوبارہ سہی۔ وہ پچیس سال تک بلکہ مزید کئی سال تک پچیس کی رہ ضرور سکتی ہے۔" تیمور نے حصہ ڈالا۔

"اپنے بڑے بھائی اور بالخصوص بھابھی کا مذاق اڑانے تمہیں شرم نہیں آتی۔" عاشر نے غیرت دلانے کی کوشش کی۔

"لو بھابھی کا تو میں ماں کی طرح احترام کروں گا۔ مگر ایک بار وہ سامنے آئیں تو سہی۔" تیمور کا لہجہ احترام سے لبریز ہوگیا۔ "ابھی تو وہ نادیدہ ہیں۔"

"کیوں۔ کیوں نادیدہ کیوں؟" عاشر اچھلا۔ "ابھی دوپہر کو تو میں نے اسے دیکھا ہے۔"

"کیا؟" ابوذر اور تیمور ہم آواز چلائے اور ایک دوسرے کو دیکھا۔

"تو اتنی دیر سے میں کیا بکواس کرنے کی کوشش کررہا ہوں۔" عاشر نے دانت پیسے۔

✿ ✿ ✿

پھوپھو شاہ جہاں آرام کرسی پر براجمان تھیں۔ ٹانگیں سیدھی کرکے اسٹول پر دھری تھیں۔ آج جمعہ تھا اور ہیوی پلان ہیلتھ پلان کے تحت جمعے کو وہ ایلو ویرا ڈے مناتی تھیں۔

زاوؤر کے پائنچے گھٹنوں تک اٹھا رکھے تھے۔ ایلو ویرا (گھیکوار) کا پیلا جیل گھٹنوں اور ٹخنوں پر مل رکھا تھا۔ چہرے پر بلو ماسک لگایا تھا اور بالوں کی جڑوں میں بھی ماسی سے خوب گھس گھس کر لگوالیا تھا۔ ہینڈ فری کان سے لٹک کر شانے پر گری پڑی تھی۔ تبھی وہ سو چکی تھیں۔

بیا نے اس بات کو بھانپ کر اپنے تیز تیز چلتے ہاتھوں کو ہلکا کرلیا۔ مبادا تیزی میں آوازیں پیدا ہونے لگیں اور ان کی نیند خراب ہو۔ وہ فریج میں سامان چیک کررہی تھی۔ کیا کیا موجود ہے اور کیا لانا ہے۔

ساتھ ہی اس نے ایک بڑی پلیٹ بھر کے گنڈیریاں کاٹ رکھی تھیں۔ جنہیں وہ مسلسل کھائی جاتی تھی۔

کمرے میں در آنے والی خاموشی بری طرح محسوس ہونے لگی اور اس سے زیادہ بری آواز ککڑی کی کڑ کڑ تھی۔

ایک کوکنگ میگزین میں بری طرح غرق آنہ نے شعوری کوشش سے اپنی توجہ ہٹانی چاہی تھی مگر آواز زیادہ تیز اور لگاتار تھی۔ بیا کا مسئلہ تھا۔ وہ سخت ڈائٹ کانشس تھی۔ تول تول کر کھاتی تھی۔ سارا وقت انگلیوں کی پوروں پر انگوٹھے کی مدد سے کیلوریز گنتی پائی جاتی۔ اتنا کھانے سے کتنا بڑھ گئیں۔ اتنا کام کرنے سے کتنی جل گئیں۔ انجان بندہ نوجوانی 'حشر سامانی' کے زمانے میں ذکر کی اس حالت کو دیکھ کر اش اش کر اٹھتا۔ اتنی خوف خدا کرنے والی لڑکی... ورنہ آج کل کی لڑکیاں بلو...

اس نے بیا کو دیکھا جو کام روک کر ایک بار پھر انگوٹھے کو تیز تیز انگلیوں پر چلا رہی تھی۔ آنہ نے غیر محسوس انداز میں بیا کی طرف والے کان میں انگلی ڈال کر میگزین عین چہرے کے سامنے کرلیا کہ شکل بھی نظر نہ آئے نگ۔

بیا ایک بار پھر انگلیوں کا پیچھا چھوڑ کر کڑ کڑ کر رہی تھی۔ آنہ نے دانت پیسے جیسے وہ نیاز کر سمجھتی تھی۔ وہ دراصل فکر تھی۔

اس کے علاوہ بیا کا ایک دوسرا کام بھی تھا وہ ایکسرسائز کرتی تھی۔

"کیا آج بھی کچھ نہیں پکے گا۔ میرا مطلب ہے سالن روٹی وغیرہ..." ایرا کی بے زار وکھی آواز پر آنہ اور بیا بری طرح چونکی تھیں۔ ساتھ دونوں نے تنبیہی نگاہوں سے اسے دیکھا اور پھوپھو کو بھی کہ "آہستہ... پھوپھو سو رہی ہیں۔"

ایرا نے باقی کے سوال حلق ہی میں گھونٹ لیے اور صبح کی روٹی کا بچا آدھا ٹکڑا اٹھا کر دو کھایا۔ انداز میں بے بسی تھی کہ کیا کھاؤں۔ وہ کچن میں دیکھ کر آئی تھی۔ ایک چولہے پر چکن ابل رہی تھی' دوسرے پر آلو... ڈھیر ساری کٹی سبزیاں ڈھکی رکھی تھیں۔ دن کے ڈیڑھ بج رہے تھے اور اس گھر میں ہانڈی چڑھانے کا کوئی ارادہ تک نہ تھا۔

شاہی پھوپھو کا آج ایلو ویرا ڈے تھا۔ انہوں نے اٹھ کر بکرے کے گوشت میں ایلو ویرا کا گودا ڈال کر بھون کے روٹی سے کھا لیا تھا۔ جسم کے دردوں کے لیے اکسیر نسخہ۔ گھٹنوں' ٹخنوں کے آرام کے لیے جیل مل کر بیٹھی تھیں۔ چہرے کی چمک کے لیے منہ پر مل رکھا تھا۔ بالوں کی صحت کے لیے جڑوں پر۔

ایرا وہ کڑوا کسیلا سالن نہیں کھا سکتی تھی۔ ہاں پھوپھو اگر تھوڑا سا قیمہ بنا دیتیں تو... اور وہ بنا ہی دیتیں۔ مگر ابھی تو وہ سو رہی تھیں۔ بپھرا اٹھتیں۔ پھر جمعہ کی نماز... پھر کہیں جا کے کھانے تک آتیں۔ تو کیا اس وقت تک... ایرا بھوکی رہتی۔ بیا نے تو کڑ کڑ کرکے اپنا پیٹ بھر لیا تھا۔ رہی آنہ... وہ پیچ کرتی ہی نہ تھی۔ جب آفس سے آتی تو کھا پی کر ہی آتی۔

ایرا نے آگے ہو کر فریج میں جھانکا۔ مجال ہے اس میں انسانوں کے کھانے کے لیے کچھ ہو۔ بس بکریوں کے چرنے کا سامان۔ سلاد... سلاد اور بس سلاد... بنانے کے سارے آئٹمز... بیا نے اشارہ کیا کہ وہ روٹی پر ککڑی کے چند ٹکڑے رکھ کر کھا سکتی ہے۔

"نہیں کوئی پاگل ہوں۔" ایرا دھیمے سے کہہ کر اچار کی بوتل سے تین مرچیں روٹی پر رکھیں اور صوفے پر پیر اوپر رکھ کے ہاتھ میں پکڑے پکڑے کھانے لگی۔ آنہ کو کھانے کا یہ طریقہ بہت برا لگا۔ اسے غصہ بھی سب سے زیادہ آنہ پر ہی آتا تھا۔

"کیا فائدہ ایسی بڑی بہن کا... بھلے وہ کوکنگ ایکسپرٹ ہو۔ جب چھوٹی بہن صبح کی روٹی پر مرچوں کا اچار رکھ کے کھائے۔ میں بتاؤں گی ممی کو۔"

اس نے روہانسے لہجے میں شکایت کی۔ مرچوں کی تیزی نے آنکھیں پہلے ہی بھر دی تھیں۔ آنہ کو ترس آیا' پھر غصہ اور پھر بہت زیادہ غصہ۔

"ممی کی بچی!" آنہ پھوپھو کی نیند بھی بھول گئی۔

دانت چیں کر اسے دیکھا۔ "وہ دو چپاتی پراٹھے اور دو انڈوں کا آملیٹ کس نے بنا کر دیا تھا۔"

"وہ میرا ناشتا تھا اور شریف لوگوں کے گھر میں اس وقت لنچ ہوتا تھا۔"

"اتنے بھاری ناشتے کے بعد لنچ کی گنجائش رہ جاتی ہے کیا؟" ببا نے بھی حیرانی کا اظہار کیا۔

"میں بتاؤں گی ممی کو۔ یہ میری بہنیں ہیں۔ میرے نوالے گنتی ہیں۔"

"نوالے نہیں 'پراٹھے'۔" آنزہ نے تصحیح ضروری سمجھی۔ "یہ بڑے بڑے پراٹھے۔"

"اور دو انڈوں کا آملیٹ بھی تو۔" ببا نے یاد دلانا ضروری سمجھا۔

"اور بہنیں ہوتی ہیں اپنے چھوٹے بہن بھائیوں کو کھلا پلا کر خوش ہوتی ہیں اور ایک میری بہنیں ہیں۔" وہ بس ہچکیوں سے رونا شروع ہی کرنے والی تھی۔

"چھوٹے بہن بھائی۔" آنزہ تیز ترین رخ کر سیدھی ہوئی۔ "تم چھوٹی ہو؟ اٹھارہ برس کی ہونے والی ہو اور۔۔۔"

"اور بات ایسے کر رہی ہے کہ انجان بندہ سن کر سمجھے آٹھ نو برس کی بچی شکوے کر رہی ہے۔" ببا نے اور سے آگے بات کو مکمل کیا۔ آنزہ نے زور و شور سے سر ہلایا۔

"آپ لوگوں سے بہرحال چھوٹی ہوں۔"

وہ دکھ بیان کرتے ہوئے آٹھ سالہ بچی ہی بنی تھک رہی تھی۔ لڑتے ہوئے اٹھارہ سالہ کی خرانٹ ہو گئی۔ انگلیوں پہ لگے اچار کے تیل کو ایک ایک انگلی منہ میں لے کر چاٹنا شروع کر دیا۔

آنزہ کا ضبط جواب دے گیا۔ پہلے ککڑیوں کی کڑکڑ۔۔۔ پھر مرچوں کی چڑچڑ۔

"بند کرو یہ بدتمیزی۔۔۔ جا کر ہاتھ دھو گندی۔" وہ بڑی بہن بن کر دھاڑی۔

اس اور ببا کا اثر ہوا تھا۔ پھوپھو شاہ جہاں ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھیں۔ آنکھ کھولنے سے پہلے ہوا میں دونوں ہاتھ لہرا کر کیا ہوا؟ کیا ہوا؟ کی گردان شروع کر دی۔ پھر اچھل کر کھڑی بھی ہو گئیں۔

اور ان کا ہڑبڑانا خوف زدہ ہونا کیا معنی۔۔۔ کہ جوان تینوں کے منہ کھلے کے کھلے رہ گئے۔

گھٹنوں سے اوپر تک چڑھے پائنچے۔ گوری ٹانگوں پر ملا جیل۔۔۔ ایک دم بول پڑنے سے چہرے پر لگا جیلا ماسک چیخ گیا۔ سب سے خراب صورت حال بالوں کی تھی۔ جیل سوکھ جانے کے بعد تین انچ لمبائی کے بال چھت کی طرف اکڑ کر یوں کھڑے تھے جیسے کرنٹ لگنے سے کارٹونز کے ہو جاتے ہیں۔ تینوں ہنسی ضبط کرنے کی کوشش میں بے حال ہو گئیں۔

☆ ☆ ☆

"پہلی بار میں نے اسے کمپاؤنڈ ایریا کے گیٹ پر کھڑے دیکھا۔ اس کے ہاتھ میں بہ ڈھیر سارے وزنی شاپرز تھے۔ جنہیں ٹیکسی میں رکھنا بہت مشکل تھا اور بدتمیز ٹیکسی والا ہیلپ کرنے کے بجائے ہٹ دھرمی سے بیٹھا اپنے بال سنوار رہا تھا۔ تب میں نے آگے بڑھ کر اپنی خدمات پیش کر دیں۔ اللہ جانے کیا کیا بھر رکھا تھا اس نے۔۔۔ پھر اس نے مجھے شکریہ کہا اور بس۔"

"پہلی نظر کی محبت۔۔۔" تیمور بھونچکا رہ گیا۔ "اتنی سی مڈبھیڑ میں جانچ لیا کہ یہی وہ خاتون مذکورہ ہیں۔ خوبیوں سے مرصع بے مثال و باکمال۔"

ابوزر کا چہرہ بھی تیمور کی تائید کر رہا تھا۔

"اونہوں۔۔۔! دوسری بار میں نے اسے بیسمنٹ لفٹ کے انتظار میں دیکھا۔ پتا چلا لائٹ چلی گئی ہے۔ اس کے ہاتھ میں کچھ بیگز اور شاپرز تھے۔ چوتھی منزل سے نیچے کیسے آتی۔ کسی بے حس انسان نے اس کی ہیلپ نہ کی تب مجبوراً" میں نے آگے بڑھ کر سامان نیچے اتارا۔"

"ایک بار پھر سامان۔۔۔" ابوزر چونکا۔ "وہ سیلز گرل تو نہیں؟"

"او نسوں۔" عاشر کو تو کنا بھی برا لگا اور قیافہ بھی۔

"تیسری بار وہ میز و میں نظر آئی۔ پانچ کلو تیل کی بوتل اٹھا کر ٹرالی میں رکھنا دو بھر تھا تب۔" عاشر کے ہونٹوں پر مسکان اور آنکھوں میں اس کا چہرہ رقص کرنے لگا۔ جیسے وہاں رہا ہی نہیں کہیں اور پہنچ گیا۔

"تب ایک بار پھر آپ نے آگے بڑھ کر وہ بوتل اٹھا کر ٹرالی میں رکھی۔ آپ پارٹ ٹائم قلی کا کام بھی کرتے ہیں۔" تیمور نے حسن اتفاقات کے ایک جیسا ہونے پر دانت نکالے اور سوال بھی پوچھ لیا اور اس سے پہلے کہ عاشر تیمور کی طبیعت صاف کرتا ابوذر چلایا۔

"یہ وہی تو نہیں جس کو تو نے اپنا نمبر دیا' بلکہ اس کی ٹرالی سے سامان اٹھا اٹھا کر کاؤنٹر پر رکھا اور بعد میں دوبارہ ٹرالی بھری اور پھر میں آوازیں دیتا رہ گیا کہ بل تو دے جا۔ خالی جیب کھڑا تھا میں۔" ابوذر نے دہائی دی۔

اسے وہ دن جزئیات سے یاد تھا۔ جب گھر کے کچھ ضروری سامان کی خریداری کے لیے عاشر اسے بھی زبردستی لے گیا اور اتفاقاً" ابوذر اپنا والٹ گھر بھول گیا۔ اس نے دہائی دی کہ والٹ تو لینے دے۔ تب عاشر نے اپنی جیب تھپتھپا کر یقین دہانی کروائی۔ میں ہوں نا اور بعد میں محض ایک لڑکی کی خاطر اسے کاؤنٹر پر ذلیل و رسوا ہونے کے لیے چھوڑ گیا۔ جب سیلز مین نے بل بنا کر پیسے مانگے تب اسے کہنا پڑا۔ بھائی آکر دیتا ہے۔ پیچھے کھڑی لڑکیاں کیسے منہ پر ہاتھ رکھ کر ہنسی تھیں۔ اتنا بڑا شیر جوان اور پیسے بھائی دے گا۔"

"ہاں۔ تو کیا تھا نا..... وہ وزنی بوتل جو اس سے ریک سے اٹھا کر ٹرالی میں نہ رکھی جاتی تھی۔ وہ گاڑی میں کیسے رکھتی۔ اتنی تو نازک سی تھی وہ۔"

"نازک۔!" ابوذر چلایا۔ "اسے نزاکت نہیں' کاہلی' سستی اور ہڈحرامی کہتے ہیں۔ یعنی میری اس دن کی ذلت کا احساس تک نہیں۔"

اس نے تیمور کو ہم خیال بنانے کی کوشش کی۔

تیمور نے زور و شور سے سر ہلایا۔

"بالکل..... بالکل ایک لڑکی کی نظر میں اپنا امیج اچھا کرنے کے لیے کتنی لڑکیوں کی نظروں میں ابوذر کا امیج خراب کر دیا۔"

ابوذر کو اپنا دکھ نئے سرے سے یاد آیا مگر عاشر چکنا گھڑا بنا کھڑا تھا۔ مجال ہے جو ذرا اثر ہوا ہو۔

"اوہ جن لڑکیوں کا دکھ رو رہا ہے' وہ کون سی پھپھی کی بیٹیاں تھیں۔ جانے دے اور عزت بے عزتی کا کیا۔ آنے جانے والی چیز ہے۔ آج ہے کل نہیں ہے۔"

"تو وہ جس کا سامان آپ مستقل ڈھو رہے تھے۔ وہ کیا ماسے کی بیٹی تھی؟" تیمور! ابوذر کا وکیل تھا۔

"وہ نہ روں...!" عاشر کے چہرے پر تادیب کی سختی آن رکی۔ "ادب سے 'وہ بھابھی ہوگی تم لوگوں کی عنقریب۔"

"حاضر بھائی کے لیے چہرے پر خفگی اور غائب بھابھی کے لیے اتنی ملائمت! شہد آگیں لہجہ۔" تیمور نے اس کھلے تضاد پر توبہ توبہ کی۔ کانوں کی لویں چھوئیں۔ ابوذر نے ایک طویل چہ چہ کے ذریعے تیمور کی تائید کی۔

"اور کوئی نام پتا گھر بنگلہ نمبر؟" تیمور کو مزید دھیان آیا۔ اماں جان کو رپورٹ کرنی تھی۔

"وہ بھی پتا لگ جائے گا۔" عاشر کا چہرہ کھل گیا۔

"رہتی وہ یہیں کہیں ہے' یا پھر کسی دوست رشتے دار کے گھر ملنے آئی ہے۔"

"مجھے تو لگتا ہے اس کی کہیں پرچون کی دکان ہے۔" ابوذر بولا۔

عاشر نے اسے گھور کے دیکھا۔ ابوذر نے گھبرانے کی اداکاری کرتے ہوئے صفائی دی۔

"جتنی اس کی ٹرالی بھری ہوئی تھی اور جیسے وہ سامان ڈھوتی ہے۔ اسی بنا پر کہہ رہا ہوں۔"

"ہاں واقعی کوئی باپ بھائی نہیں ہے گھر میں سامان خریدنے کے لیے۔" تیمور بھی بولا۔

عاشر سوچ میں پڑ گیا۔

☆ ☆ ☆

شاہی پھوپھو کی عزیز از جان دوست تشریف لا چکی تھیں۔ آرہ نے آداب میزبانی سے قطع نظر محض پھوپھو کے خوف سے چائے پر اہتمام کیا تھا۔ فروٹ سلاد مع میکرونی اینڈ مایونیز شیشے کے ڈونگے میں سجا تھا۔ رنگ برنگے پھل۔ چکن نگٹس کی بھری ٹرے۔ کیچپ کے ساتھ پھوپھو کی فیورٹ گرین چٹنی۔ آم کے جوس میں سیون اپ ڈال کر بنائی جانے والی ڈرنک' وائن گلاسوں میں بہت خوب صورت لگ رہی تھی۔

ٹیبل پر بھی تمام چیزیں بیا کی پسندیدہ تھیں اور پھر جب بنائی ہوں آرہ نے تو کیا ہی بات۔ لیکن چونکہ وہ شدید ترین ڈائٹ کانشس تھی' سو اس نے ایک بہت بڑی پلیٹ سلاد کی کھائی۔ اور بعد میں ان چیزوں کو ٹرائی کرتی رہی۔ پھر ایکسرسائز تو منہ کا چسکا بھی پورا ہو جاتا اور چربی بھی نہ چڑھتی۔

آرہ کے ساتھ وہی مسئلہ تھا جو ہر دوسرے پکانے والے کے ساتھ ہوتا ہے کہ پکاتے وقت محض خوشبو ہی سے دل بھر جاتا۔ پھر کچھ بھی چکھنے کو دل نہ کرتا کہ طبیعت سیر ہوتی۔

خوشی کا دن صرف ایراد کے لیے تھا۔ اس نے زندگی میں کوئی روگ نہ پال رکھا تھا کہ بھوکے رہ کر سوگ مناتی۔ سو جی بھر کے بھر بھر کے پلیٹیں کھاتی تھی۔

آرہ نے گھڑی دیکھی۔ ایراد کے آنے میں کچھ دیر تھی اور خود اس کے جانے میں بھی۔ اسے ابھی تیار بھی ہونا اور دیگر تیاریاں بھی کرنی تھیں۔

شاہی پھوپھو شاہانہ انداز بے نیازی سے صوفے پر براجمان تھیں اور دوست سامنے صوفے پر بیٹھی تھی۔

جب ایراد نے اندر قدم رکھا تب مارے جوش کے باچھیں چری ہوئی تھیں اور اپنے عین سامنے پھوپھو کی دوست کو دیکھ کر تو آنکھیں خوشی' فخر سے اور بھی جگمگا اٹھیں۔ مگر دوسری طرف سب کی خاص کر آمد کی آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئیں۔ اس نے یہ تو کہا تھا کہ اس کی دوستوں کو "پھوپھو کی دوست" سے ملنا ہے۔ مگر دوستیں اتنی ساری ہوں گی۔ یہ کسی کو اندازہ نہیں تھا۔

بیا نے صاف ستھرے ڈرائنگ روم کو دیکھا جس کے ہر کونے میں سفید یونیفارم میں لڑکیاں ٹنگ گئی تھیں۔ کشنز پر۔ صوفے کی ہتھیوں پر۔ ایک دوسرے میں گھس گھس کے بیا نے چھت پر لگے پنکھے کو دیکھا۔ شکر وہ اوپر تھا۔ ورنہ تین کی جگہ وہاں بھی بن جاتی۔

ادھر دوستیں بھی دوست آنٹی کو دیکھتیں بھی آرہ کو۔

دوست نے کھلتے فیروزی رنگ کا چمکتا مشکتا ڈھیلا ڈھالا سلک کا ایسا لباس زیب تن کیا تھا جو شانوں سے ٹخنوں تک لمبا تھا۔ گلے میں رنگ برنگی چھوٹے موٹے گول موتیوں کی مالائیں... یہ اینٹیک جیولری کے ڈیزائن تھے۔ ویسے ہی کڑے موٹے بینٹ (مگر فیشن میں ان) ہاتھوں کی زینت تھے۔ انگلیوں میں بڑی بڑی انگوٹھیاں اور ناخنوں پر چیک دار نیل کلر... بال کٹے ہوئے تھے اور سنہری ڈائی تھی۔ بے حد پتلے ہونٹوں پر سرخ لپ اسٹک جیسے مارکر سے دو لکیریں کھینچ دی ہوں۔ (دائیں سے بائیں)

سب سے دلچسپ اور حیران کن شے آنٹی میک اپ تھا۔ دن کے ڈیڑھ بجے اسموکی میک اپ (یعنی پپوٹے سیاہ گھور رنگ سے رنگے ہوئے تھے۔)

دوستوں کو جب یہ اندازہ ہوا کہ یہ سارا اہتمام آمنہ نے کیا ہے تو وہ کھانے کی اشیا پر ٹوٹ پڑیں۔

آمنہ کے گمان میں دو چار دوستیں تھیں۔ ان کے لیے انتظام تھا۔ مگر وہ اس بارات کو کہاں سے پورا کرتی" اس نے اپراؤ کو گھورا جو "لو نا... تم بھی چکھو... ارے یہ چٹنی تو لو۔" جیسے الفاظ بڑی محبت سے بول رہی تھی۔

دراصل شاہی پھوپھو کی یہ دوست ماہر دست شناس تھیں۔ ساتھ ٹیرو کارڈ دیکھ کر حال مستقبل بتاتی تھیں۔ بچپن کی دلچسپی اور شوق اب پروفیشن بن چکا تھا۔ اور وہ ہر مارننگ شو میں بلوائی جاتی تھیں۔ اب یہ علم سچا تھا یا جھوٹا۔ صحیح یا غلط... مگر ان کی کہی کچھ باتیں جب من و عن درست ثابت ہوئیں تو وہ راتوں رات سب کی توجہ کا مرکز بن گئیں۔ آمنہ ایسی باتوں کو مانتی نہیں تھی۔

لیکن بہا کا ان سب باتوں پر آنکھ بند کر کے یقین تھا۔ آنٹی دست شناس نے اس سے کہا تھا کہ عنقریب اس کی زندگی میں خوابوں کا شہزادہ آنے والا ہے۔ بہا کو دو اعتراض ہوئے۔ عنقریب کی جگہ درست ٹائم بتایا جائے۔ دوسرے خوابوں کا شہزادہ کیوں؟ بادشاہ کیوں نہیں۔

آنٹی دست شناس نے اتنے گہرائی سے پر سوالوں کے جوابات سے مسکراتے ہوئے پہلو تہی کی اور ڈٹی رہیں کہ خوابوں کا شہزادہ ہی آئے گا۔

جب اپراؤ نے اپنی دوستوں سے یوں ہی برسبیل تذکرہ آنٹی کا ذکر کیا تو وہ ملاقات پر اتنا مصر ہوئیں کہ آج کا دن طے کیا۔

اب آنٹی دست شناس جو کسی بھی پروگرام میں مہمان کی حیثیت سے بھی آنے کی ہینڈسم فیس چارج کرتی تھیں۔ اس وقت محض آداب دوستی نبھاتے ہوئے لڑکیوں کے گھیرے میں بیٹھی تھیں اور بدقت مسکرا رہی تھیں۔ اس دوران شاہی پھوپھو مجال ہے جو ایک لفظ بولی ہوں۔ بس دیکھے جا رہی تھیں۔

اوپر سے لڑکیوں کے سوال... کسی ایک آدھ بے چاری کو ہی کیریئر کی فکر تھی یا علم حاصل کرنے کی چنتا۔ سب کی سب نکمیوں نے دونوں ہاتھ آگے پھیلا رکھے تھے۔ (شکر آنٹی فقط دست شناس تھیں۔ لکیریں تو پیروں میں بھی ہوتی ہیں نا اور ان لکیروں سے کیا بعید... کہ...)

کسی کے سوالات میں کچھ بھی نیا پن نہیں تھا۔ کھلم کھلا لپیٹ لپاٹ کے ہونے والے "ان کے نام کا پہلا حرف... ان کا کام اور... اور بعض بے حد شریلیوں نے دبی زبان میں بچے کتنے ہوں گے بھی پوچھ لیا۔ پھر تو جیسے لائن لگ گئی۔ جو اپنے منہ سے کوئی سوال بھول بھی جاتی۔ دوستیں اس کی ترجمان بن کر بڑھ چڑھ کر پوچھتیں۔

آمنہ نے شاہی پھوپھو کے کان میں سرگوشی کی۔

"اللہ تعالیٰ نے سب سے زیادہ امپورٹنس جس لینگویج کو دی وہ تو عربی ہے۔ پھر لکیروں میں حرف انگلش الفابیٹس میں کیوں چھپا دیے؟"

"میرے بجائے یہ سوال بینی سے پوچھ لو اور یہ بھی پوچھنا کہ سارے حرف ایچ این ایم اے وائی جیسے ہی کیوں بناتی ہیں۔ کسی کا نام کیو بی پی اور جی سے کیوں نہیں آرہا؟"

آمنہ کی آنکھیں پھیل گئیں جب اتنا منہ توڑ جواب

دے سکتی ہیں تو انہیں کیوں بلوالیا۔

"ان سب کے لیے... جو پاگلوں کی طرح پیچھے پڑی ہیں۔" شاہی پھوپھو نے مسکراتے ہوئے پاگل بچیوں کو دیکھا۔ ایک لڑکی ہونقوں کی طرح آنٹی کا منہ دیکھ رہی تھی اور باقی سب کے قہقہے چھت کو چھو رہے تھے۔ وہ بے چاری بمشکل حیرت کے سمندر سے ابھری تو شرمندگی کی دلدل میں دھنسنے لگی۔

آنٹی نے اسے سات بجے بتائے تھے

اراد کا ضبط جواب دے گیا۔ آخر وہ سب کب فارغ ہوں گی اور اس کا نمبر آتا۔

اراد نے اسے ہاتھ سے صوفے سے دھکیلا اور خود اپنے لیے جگہ بنائی۔

"آنٹی! چھوڑیں آپ ان سب کو۔ یہ سب پاگل ہیں۔ آپ میرا ہاتھ دیکھیں... میں ہینڈ واش سے رگڑ رگڑ کر دھو کے آئی ہوں۔ تاکہ کوئی لکیر بھی چھپی نہ رہ سکے۔"

"تمہیں کیا پوچھنا ہے؟"

"آپ بس مجھے یہ بتادیں کہ... میری زندگی میں شاہد آفریدی کی کیا جگہ ہے اور... ہے بھی یا نہیں۔" سوال کے آخری حصے میں وہ کچھ جھجکی ہو گئی۔

"واٹ... شاہد... آفریدی..." بے یقین آوازوں سے کمرا ابھر گیا۔

"تمہاری لکیروں میں شاہد آفریدی کا کیا کام؟"

"بس کسی بھی طرح بتادیں کہ کیا میں کبھی اس سے مل سکوں گی' بات کرسکوں گی' مجھے پتا نہیں کیوں لگتا ہے ہمارے درمیان کچھ ہے۔"

"درمیان کا تو پتا نہیں' سر پر میرا ڈنڈا ضرور ہے۔ یہ کوئی سوال ہے؟" شاہی پھوپھو کو شاہانہ جلال آیا۔

"اوہو شاہی... دیکھنے تو دو... سب روایتی سوال کررہی تھیں۔ اسی بچی نے تو کچھ الگ پوچھا۔ ویری انٹرسٹنگ کوئسچن... کتنا مارجن ہے اس میں۔"

آنٹی نے دانت میچے اسے۔ دیر ہورہی تھی مگر وہ جواب کے لیے رک گئی تھی۔

آنٹی دست شناس نے اپنا سر اٹھایا' ان کے چہرے پر فاتحانہ چمک تھی۔

"میں نے تم دونوں کا الگ الگ حساب لگایا اور اس نتیجے پر پہنچی کہ زندگی میں ایک ایسا مقام آئے گا جب تمہاری وجہ شہرت شاہد آفریدی ہوگا۔" آنٹی نے ڈرامائی وقفہ دیا۔

"اور اس کی وجہ شہرت اراد ہوگی۔ یعنی دونوں کا نام ایک ساتھ لیا جائے گا۔"

"کیا؟" اراد کے دونوں ہاتھ کھلے منہ پر ٹک گئے۔ بے یقینی سی بے یقینی۔ شادی مرگ کی کیفیت۔ تحیر نے تمام لڑکیوں کو بھی گنگ کردیا تھا۔ یہی کیفیت آنی' بیا اور پھوپھو کی بھی تھی۔ اراد کو شاہد آفریدی بے حد پسند تھا۔ اس نے کمرے میں اس کے یہ بڑے بڑے پوسٹرز لگا رکھے تھے۔

مگر آج یہ سوال... اور اس کا جواب۔

"اے من نئی... یہ جو تم لوگ ہوتے ہو پامسٹ وغیرہ۔ تم لوگوں کا علم پہنچا ہوا ہوتا ہے۔ چہرہ شناسی کے فن میں تم لوگ ماہر ضرور ہوتے ہو۔ بچی کے چہرے سے اندھا بھی جان لے' وہ کیا جواب چاہتی ہے۔ اب تم سچ بولو... علم کچھ کہہ رہا ہے یا تم نے بچی کو چلایا ہے۔"

"اف... یہ بے تکلف جگری بچپن کی دوست۔" نئی دست شناس نے کراہ کر سوچا۔

"اگر دل رکھنے اور چہرہ شناسی والی بات ہوتی تو سالوں پہلے کسی کو یہ نہ کہہ دیتی کہ وہ بھی نہ... کبھی ظہیر عباس کو پالے گی۔ اس وقت حالانکہ میرا علم اور تجربہ اتنا ایکوریٹ بھی نہ تھا۔ مگر میں نے صاف صاف کہا تھا۔ نہ بی بی نہ... ظہیر عباس کو بھول جا۔ وہ کبھی بھی نہیں مل سکتا۔"

نئی نے بڑے ہی ڈھکے چھپے الفاظ میں شاہی پھوپھو کی بولتی بند کردی۔ ساتھ ہی آنکھوں ہی آنکھوں میں جتایا۔ جبھی تو پھوپھی بری ہی تو جاتا تھا... شاہی پھوپھو گڑبڑا کر ادھر ادھر دیکھنے لگیں۔

"اف یہ بے تکلف جگری بچپن کے دوست..."

"تو کیا اراد کی شادی ہوگی آفریدی سے؟" ایک

دوست نے پتلی آواز میں رشک حسد سے ترلیجے میں سب کی ترجمان بن کر پوچھا تھا۔ نینی کی گردن نفی میں ہلی۔

"مجھے بس یہیں تک بننا تھا۔"

سب سہیلیوں کے چہرے پر کسی حد تک طمانیت پھیلی۔ ادھر ابرار کا دل غوطے کھانے لگا۔

☼ ☼ ☼

ابرار کی سہیلیاں ہنستی مسکراتی' اپنے مستقبل کا حال پوچھ پاچھ کر آنزہ اور نینی سے آٹوگراف لے کر روانہ ہو گئیں۔ آنزہ آفس سدھاری۔ پیا اور ابرار دوپہر کو سوئی تھیں۔ شاہی پھوپھو' نینی کو لے کر کچن میں آگئیں۔

"سب کچھ بچیاں ہی کھا گئیں۔ اب تم بتاؤ تمہارے لیے کیا بناؤں؟"

"کچھ بھی نہیں' بس ایک کپ چائے۔"

"صرف چائے۔ اتنے عرصے بعد تو ملی ہو' مصروف بھی کتنی ہو چلی ہو۔ کبھی اس چینل پر اور کبھی اس پر۔"

"ہاں مصروفیت۔" نینی نے سرد آہ کھینچی۔ "جینے کے لیے بہانے۔ یہ بھی نہ ہوں تو مر نہ جائیں۔"

"ابھی تو بچیوں کی باتوں پر ہنس رہی تھیں اور ابھی اتنی مایوسی۔"

"وہ ہنسی اور باتیں تو منٹوں یاد رہیں گی۔" نینی کا بجھ جانے والا چہرہ چمکا۔

"کتنا اچھا ہوتا ہے نا شاہی یہ دور زندگی کا۔ یہی سولہ سترہ۔ بیس' بائیس برس کا۔ جو چاہتے ہیں پا لیتے ہیں' کہہ لیتے ہیں' سن بھی لیتے ہیں۔ کوئی کچھ بھی کہہ لے' برا لگتا ہی نہیں اور اب تو کوئی مسکرا کر بھی دیکھے تو سو معنی نکالتے ہیں کہ مسکرایا تو کیا سوچ کر مسکرایا۔ کیوں مسکرایا۔"

"اتنی شدید مایوسی۔" شاہی پھوپھو دوست کے سامنے کرسی گھسیٹ کر بیٹھ گئیں۔ ٹیبل پر دھرے ہاتھ پر اپنا ہاتھ رکھ دیا۔

"مایوس نہیں ہوں۔" نینی نے شاہی کے ہاتھ پر اپنا ہاتھ رکھ کر تھپتھپایا۔ "بس یوں ہی خیال آیا کہ اگر اللہ مجھے اولاد دیتا' بیٹا۔ بیٹی تو لگ بھگ اتنی ہی عمر کے ہوتے نا کالج میں فرسٹ ایر' سیکنڈ ایر۔"

"ہوں۔"

"تمہارا بیٹا بھی اسی ایج گروپ کا ہے نا۔" نینی نے یک دم کہہ دیا۔ "فرسٹ ایر میں ہی ہوگا۔" شاہی نے ہاتھ کھینچ لیا۔

"میں چائے رکھ دوں۔ کباب بھی فرائی کر لیتی ہوں۔ چٹنی آنزہ نے تیار کر رکھی ہے۔"

شاہی پھوپھو نے جواب دینے کے بجائے آلو فالتو کے چھلکوں کا ڈھیر سا لگا دیا۔ جواب نہ دینے سے سوال کی اہمیت گھٹتی نہیں ہے۔ وہ اپنی جگہ مستحکم رہتی ہے اور جس سوال کا جواب نہ ہو۔

"فرسٹ ایر میں کون ہے' بہا ہوگا۔ بیٹا نہیں' میرا بیٹا تو ففتھ گریڈ میں پڑھتا ہے۔" شاہی پھوپھو کا چہرہ مردے کی طرح سفید لگنے لگا۔

"بچکانہ بات ہے شاہی! وہ اب تک ففتھ گریڈ میں ہوگا۔"

"بچکانہ بات نہیں ہے۔ کبھی بند گھڑی کو دیکھا ہے' جہاں سیل ختم ہوں وقت اور تاریخ وہیں رک جاتی ہے۔ دنیا بھر کی گھڑیاں جتنا مرضی آگے سرک جائیں' گھنٹوں' منٹوں' سالوں۔ بند گھڑی وہیں کی وہیں رکی رہتی ہے۔ وہی تاریخ' سال' سیکنڈز اور منٹس۔ میرے دل کی دیوار پر لگی گھڑی سالوں سے ایک وقت تاریخ اور دن پر ٹھہر گئی ہے۔ مجھے کبھی وقت آگے بڑھتا ہوا لگا ہی نہیں۔"

"یہ خود اذیتی ہے۔ تم کس سے انتقام لے رہی ہو' خود سے۔" نینی کا لہجہ دکھی تھا۔

"بے حد عملی زندگی میں بے عملی کے چند لمحے' دل کے لمحے جو کسی سے انتقام نہیں لیتے' وہ خود سے لیتے ہیں اور پلیز اب اور کچھ نہ بولنا۔"

شاہی کا جملہ اور چہرہ قطعیت کا ترجمان بن گیا۔

نینی کو چپ ہونا پڑا۔

"بیا کب آئی؟" نینی نے موضوع بدلا۔

"تین ماہ ہونے والے ہیں۔ اپنی اماں سے لڑ کر آئی ہے۔ کہتی ہے۔ اب یہیں رہے گی۔"

"کیوں۔۔۔ اور لڑائی اپنی اماں سے۔۔۔؟" نینی حیران ہو گئیں۔

"ہاں وہ اس کے رشتے کے لیے پریشان ہے۔ وہ ذہن جو زبان ہے۔ رشتے کروانے والی عورتیں 'جنہ دیکھ کر موٹے جھگڑے رشتے لاتی ہیں جو عمر کے بھی زیادہ ہوتے ہیں۔ اس نے ماں سے کہا۔ وہ موٹی ہے تو لڑکی ہے اور لڑکے سے شادی کرے گی۔ آدمی سے نہیں کرے گی۔ ماں اس دن سے ہر کسی سے پوچھتی پھرتی ہے 'لڑکے اور آدمی میں کیا فرق ہوتا ہے۔ اس نے کہا' بس دن آپ اس فرق کو سمجھ لیں گی میں آجاؤں گی۔ میرے جسم پر چربی چڑھی ہے 'دماغ اور دل پر نہیں۔"

"بہت خوب۔۔۔" نینی کو مزا آگیا۔ "تمہارے بھائی وغیرہ مان گئے؟"

"ہاں۔ منوانا آنا چاہیے اور وہ آج کی نسل کو آتا ہے 'ہماری طرح تھوڑی۔" شاہی پھوپھو کا چہرا ایک بار پھر بجھنے لگا۔ آگے نہ بول سکیں۔

"آپ نے ماشاء اللہ بہت ترقی کر لی۔" نینی نے تیزی سے موضوع بدلا۔

"ہاں۔ ماشا اللہ۔ دبئی سے یہاں آتے ہوئے بڑے تحفظات کا شکار تھی۔ اب تو سب سیٹ ہے اور ایراؤ تو شروع سے مجھ سے اٹیچ ہے ہی۔ بس۔ بھائی اکیلے بھیجنے پر متامل تھے۔ پھر فلیٹ بھی اپنا تھا۔ میں نے کہا' میں ساتھ رہوں گی اور اب لگتا ہے سالوں سے رہ رہی ہوں۔"

شاہی پھوپھو نے نرے تیار کرکے ٹیبل پر رکھے۔

"اور یہ تم نے آج ایراؤ کو کس لائن لگا دیا۔ حد کر دی ہو تم بھی۔"

"بھئی 'میں تو پہلے ہی کہتی ہوں۔ میرا علم حتمی نہیں۔ یہ تو حساب کتاب ہے۔ جو میں نے لگایا۔ عالم الغیب تو اوپر والے کی ذات ہے اور زیادہ تر لوگ تو پامسٹری کو جسٹ فار انجوائے منٹ ہی لیتے ہیں۔"

انسوں نے ہنس کر کہا۔

شاہی پھوپھو نے ہنسی میں ساتھ دیا اور ساتھ ہی کباب کی پلیٹ بڑھائی۔ نینی نے پلیٹ پکڑ کر اپنے نزدیک رکھی اور ہاتھ پکڑ لیا۔

"تمہارا ہاتھ دیکھوں شاہی۔۔۔ تمہیں کتنا شوق تھا نا مستقبل کے بارے میں جاننے کا۔"

"فضول محنت کرو گی۔" شاہی پھوپھو نے ہاتھ نرمی سے کھینچ لیا۔ "میرے ہاتھ میں خوشیاں نہیں ہیں۔"

نینی ان کی شکل دیکھ کر چپ ہو گئیں۔

☼ ☼ ☼

تیمور کے ہاتھ کا پکا گوشت کا سالن ابوزر تو خاموشی سے کھا رہا تھا۔ جبکہ عاشر ہر لقمے پر تیمور کے لیے وہ وہ الفاظ کہتا کہ لکھیں تو کیسے۔

"اب اچانک یہ اتنی بڑی سخت بیلی کہاں سے آگئی؟" عاشر بولا۔ اس نے روٹی کے نوالے کا دباؤ دے کر بوٹی توڑنے کی کوشش کی تو بوٹی پھسل کر آگے سرک گئی۔ پتا لگا وہ تو گلی ہی نہ تھی۔

"ہاں۔۔۔ میری بھی یہ والی دو بچی ہوئی ہیں سخت سی۔" ابوزر نے بھی دو بوٹیاں سائیڈ پر کر رکھی تھیں۔

"دراصل ایک کلو گوشت چڑھایا تھا۔ آدھے گھنٹے بعد تین بوٹیاں نکال کر چیک کیں کہ گلی کہ نہیں۔ کچی تھیں بمشکل چبائیں۔ آدھے گھنٹے بعد پھر تین اور نکال لیں۔ وہ تھوڑی بہتر تھیں۔ اس کے بیس منٹ بعد بغیر گنے نکال لیں۔ وہ گل چکی تھیں۔ جب مسالا بھوننے لگا تو گنتی کی چار پانچ بوٹیاں بچی تھیں۔ سو جلدی سے آدھ کلو کا ایک اور پیکٹ ڈال کر۔"

"تو چکھتے چکھتے سارا گوشت کھا گیا؟" عاشر چلایا۔ منہ ابوزر کا بھی کھلا کا کھلا رہ گیا تھا۔

"پیٹ ہی بھرنا ہے نا آپ لوگ مسالے سے کھا لیں۔" تیمور خود بھی یہی کر رہا تھا۔

"ہاں مسالا تو جیسے بڑا مزے دار بنایا ہے نا؟" ابوزر نے لقمہ نگل ہی لیا تھا۔

"تو پھر کر لیں کسی خانساماں کا بندوبست۔۔۔ میں کیا

ماسی لگا ہوں یا تم لوگوں کی امی ہوں۔" تیمور نے ابوذر کو گھورا۔

"ماسی تو ہو نہیں سکتا اور میری ماں تیری جیسی مونچھوں والی نہ ہے۔ میرے ابا کا ذوق اب اتنا بھی گرا ہوا نہیں۔ بھلے سے وہ تم جیسوں کے چچا ہوں۔"

"وہ تم جیسے کے ابا ہو کر فخر سے جی سکتے ہیں تو ہمارے چچا ہونے پر کیا انہیں پتھر پڑیں گے۔" تیمور نے غصے کا جواب غصے سے دیا۔

"آپس میں لڑنے کے بجائے اس مسئلے کا حل سوچو۔" عاشر نے سربراہ کی حیثیت سے اصل مسئلے کی جانب آنے کا اشارہ دیا۔

"ایک اچھے کک کی تلاش۔" ابوذر نے بات ختم کی۔

"اور ایک بہترین کام والی ماسی۔" عاشر کو صفائی کا خبط تھا۔

"ماسی چھڑوں کے گھر کام کرنے نہیں آتی۔" تیمور نے نکتے کی بات کہی۔

"ہم خدانخواستہ ہمیشہ چھڑے تھوڑی رہیں گے۔" عاشر کو تیمور کی بات بددعا کی طرح لگی۔ ساتھ ہی وہ نازک حسینہ بھی یاد آگئی۔

بددعا والے خیال پر ابوذر کا دل بھی سکڑا تھا۔ "اللہ نہ کرے۔"

"تو اماں جان کی بات مان کر سیدھے سیدھے شادی کر کے اپنے گھر بسائیں۔ میری بھی جان بخشی ہو۔"

"مجھے میری پسند کی لڑکی اب تک ملی نہیں۔" ابوذر نے دکھی لہجے میں کہا۔

"اور مجھے تو بس اسی اسٹور والی سے کرنی ہے۔" عاشر کسی منچلے بچے کی طرح ٹھنکا۔

"بس تو پھر ہو گئی شادی.... تم طویل رخصت لے کر شہر شہر، گلی گلی گھومو، جب تک منزل مقصود نہ ملے۔ اور آپ شہر کے ہر بڑے چھوٹے سپر اسٹور، کریانے کی دکان پر گھومنا شروع کر دیں۔ بلکہ ہر سپر اسٹور کے باہر پان کا کھوکھا کھول لیں۔ ٹیکسی ڈرائیور بن کر انتظار کریں۔ آئے گی تو وہ وہیں...." تیمور نے جل کر حقیقت بیان کی۔

عاشر ڈائننگ ٹیبل سے اٹھ کر کھڑکی کے پاس چلا گیا۔ چہرے پر ایک انوکھی مسکان آن رکی تھی۔

"مجھے یقین ہے، وہ مجھے مل کر رہے گی۔ دراصل اسے دیکھتے ہی میرے دل میں گھنٹی سی بجی کہ وہی تو ہے جس کا..."

"اور ہمارا یہ حال ہے کہ ہمارے گھر کی بیل بھی صحیح وقت پر نہیں بجتی۔ بج جانے والی ہوتی تو آج میری ہانڈی کا یوں ناس ہوتا؟"

تیمور نے عاشر کی بے خودی کو دیکھتے ہوئے جل کر ابوذر کے کان میں سرگوشی کی۔

"میں تو ڈیڈ کو فون کر کے یہ بھی کہنے والا ہوں کہ جس بیٹے کی تعلیمی قابلیت، ذہانت، ہائی فائی جاب کے طعنے دے دے کر انہوں نے میری زندگی اجیرن کر رکھی ہے۔ وہ عنقریب نوکریوں کو آگ لگا کے، نوکری پر لات مار کے جنگلوں بیابانوں کی خاک چھاننے والا ہے۔ عشق جو ہو گیا ہے۔"

تیمور کے جملوں میں ہمدردی نہیں بلکہ لہجہ کاٹ سے بھرپور۔

مجنوں جنگل میں اکیلا ہے، مجھے جانے دو
خوب گزرے گی جو مل بیٹھیں دیوانے دو

ابوذر نے زور و شور سے اثبات میں سر ہلایا۔

عاشر نے کچھ جواب نہ دیا۔ ساکت جو ہو گیا تھا۔ تیمور کو کسی انہونی کا احساس ہوا۔

"بھائی... بھائی! کیا ہوا؟" وہ اچھل کر اس تک آیا۔ "ایسے پتھر کا بت کیسے بن گئے؟"

"کہیں کوئی بھوت تو نہیں دیکھ لیا۔" ابوذر بھی اٹھ کر آیا۔ کھڑکی کا پردہ آخر تک سمیٹ دیا۔

سفید گاڑی کی پچھلی سیٹ پر بڑا چند بیگ رکھ کے دروازہ دھماک سے بند کر کے ایک لڑکی اب فرنٹ ڈور کھول کر بیٹھ رہی تھی۔ دور کچھ بچیاں رسی کود رہی تھیں۔ بینچ پر کچھ بزرگ براجمان محو گفتگو تھے۔ گاڑی گیٹ سے نکلی، روڈ پر چڑھی اور اگلے پل نظروں سے اوجھل ہو گئی۔ ابوذر نے اس بات کو اہمیت نہ دی۔ وہ تو

بھوت کی تلاش میں نظریں دوڑا رہا تھا مگر عاشر کا سکتہ یک دم ٹوٹا۔

اس نے دونوں ہاتھ کھڑکی کی جالی سے باہر نکال کر زور زور سے ہلانے شروع کردیے۔

"وہ... وہی... تھی... وہی... وہ سپر اسٹور والی... نہیں وہ برجوں والی نازک... نازک..."

تیمور کے حیران بت میں جان پڑ گئی۔ اس نے عاشر کو پیچھے دھکا سا دے کر اپنا من بھر کا سر بمشکل جالی سے باہر نکالا۔

"وہاں تو کوئی نہیں ہے۔" تیمور کو بھائی کی دماغی حالت پر شک گزرنے لگا۔

"وہ وہی تھی۔ ابھی... ابھی وائٹ گاڑی میں نیلے لباس میں۔" عاشر کا صدمے سے بھرپور لہجہ... "اور ایک بار پھر غائب ہوگئی۔"

"ہاں تو میں نے بھی دیکھا تھا۔ ہٹ تیمور ہٹ۔" ابوذر اچھل پڑا۔

"کیسے ہٹوں... سر پھنس گیا میرا۔" تیمور کی آواز بھنچی بھنچی سی تھی۔ اس نے اتنی سی دیر میں کتنا سارا زور لگالیا تھا۔

"میں ابھی نکالتا ہوں اپنے بھائی کو..." ابوذر آستین چڑھا کر آگے بڑھا اور تیمور کے دونوں بازو پیچھے کرکے کھینچنے لگا۔ تیمور کی چیخیں نکل گئیں۔

"ہم گردن پھنسوا کر اب تم لوگ مجھے بازوؤں سے بھی محروم کروگے کیا؟"

"نکالو مجھے نکالو..." تیمور خود بھی مقدور بھر کوشش کررہا تھا۔ ابوذر نے اب دونوں بازو چھوڑ کر ایک بازو پکڑ لیا تھا اور اپنے بازی بلدر ہاتھوں سے اسے کھینچتا ہی جارہا تھا۔ اس کے چہرے کے تاثرات بتاتے تھے۔

"آج سر نکلے گا... یا بازو۔"

تیمور کوئی مشرقی حسینہ تھا جو جبر بھی سہتا اور چپ بھی رہتا۔ لہٰذا وہ چیخ رہا تھا۔ نیچے بزرگ کھڑے اوپر دیکھ رہے تھے۔

"بھائی! مجھے پھنسا کر بھائی کہاں چلا گیا۔" تیمور نے دہائی دی۔ "ڈیڈ نے مجھے اسی کے بھروسے تو شہر بھیجا

تھا۔" تیمور یک دم چارپا ہوگیا۔

"کہیں نہیں گیا' میں یہیں ہوں۔ یہ آری لایا ہوں۔ ابھی کاٹ دیتا ہوں۔" عاشر کو آخر بھائی کا خیال آگیا تھا۔

"کیا... میرا سر..."

"نہیں' نہیں یہ جنگلا..." عاشر نے آری لہرائی۔

"پہلے میرا بازو تو چھڑا' میں اس بن مانس سے۔" عاشر چونکا۔ ابوذر کے بھینچے دانت (یا یہ رہے گا' یا نہیں رہے گا... بازو۔)

"چھوڑ' میرے بھائی کا بازو چھوڑ دے ابوذر!"

دونوں کے بیچ بازو کے حصول کے لیے چھینا جھپٹی شروع ہوگئی۔

تیمور نے "یا اللہ مدد" کہہ کر آخری زور لگایا اور کولہوں کے بل زمین پر جاگرا۔ بازو ہاتھ سے نکل گیا' تب منظر یوں تھا کہ عاشر اور ابوذر بغل گیر تھے اور بجائے شرمندہ ہونے کے ایک دوسرے کو مبارک باد دینے لگے تھے۔

☼ ☼ ☼

ٹنگ پائینچے کی جینز پر گلابی بنگی شرٹ... پیروں میں گلابی باریک ہیل کی چپی' گلے میں موٹے منکے والا مالا' شانوں پر تازہ کٹنگ والے بکھرے بال' چہکتی مہکتی سی برابر اور تھی۔

سی گرین کلر کی جرسی کی پٹیالہ شلوار پر بند چاک والی جرسی ہی کی گھٹنوں سے اونچی بند دامن کی کلی قمیص' برائے نام بیلی سا گلا اور سی گرین دوپٹا شانے پر دھرا تھا۔ پیروں میں فلیٹ بند چپی سلور کلر کی... سلور کلر ہی کا اسٹائلش بیگ کلائی پر لٹکا رکھا تھا۔ کانوں میں بہت بڑے بڑے بالے نگینے سے سجے بال اور سیک اپ سے سجا تھی۔

دونوں گھر سے یوں نکلیں جیسے ماڈل ریمپ پر آتی ہیں۔ گردو پیش سے انجان شان بے نیازی سے خلا میں تکتی منہ اٹھا کر چلتی جب وہ چوتھے فلور سے نیچے اتریں' تو ہر کس ناکس نے ٹھٹک کر انہیں دیکھا۔

بیا کی بیسٹ فرینڈ کی برتھ ڈے تھی۔ تیاری کے اپنے ہی قائم کردہ ریکارڈ توڑ کے اب وہ مفتوں ترلوں سے مانگی پھوپھو کی کار میں سفر کرنے کو تیار تھیں۔ مگر یہ کیا گاڑی کے عین پیچھے ایک دوسری گاڑی پارک تھی۔ نجانے کس کی۔

"پہلے ہی دیر ہو رہی تھی اور اب۔"

"اب آپ کچھ کریں نا۔"

"نہیں۔ میں کیا کر سکتی ہوں۔"

"آپ تو دعوے دار ہیں کہ ٹریفک جام میں گاڑی نکالنے میں آپ سے بڑھ کر کوئی ماہر نہیں۔"

"بالکل دعوے دار ہوں مگر اب یہ تو کم از کم نہیں کر سکتی کہ گاڑی کو چٹکی سے اٹھاؤں اور مین روڈ پر رکھ دوں۔ پتا نہیں کس جاہل نے اس طرح گاڑی جوڑی ہے۔"

بیا نے مذکورہ جاہل شخص کی تلاش میں چہار جانب نظریں گھمائیں۔ ان گناہ گار آنکھوں نے وہ دیکھا، جس کو دیکھنے سے پہلے یا جس کے دیکھنے کا گمان۔۔۔ ہائے۔ مین روڈ کے چوک سے آنہ کی آفس وین نے ٹرن لیا تھا اور وہ لحہ بہ لحہ نزدیک آتی جا رہی تھی۔ خود پر شعوراً "چڑھایا بے نیازی کا خول دھڑ سے اتر گیا۔ دونوں بہ وقت صورت ایک دوسرے کو تک رہی تھیں۔ بھاگ جانے کی خواہش تھی۔ بیا کے لیے بھاگنا ویسے ہی مشکل تھا اور ایراو کے لیے اس لمبی ہیل میں چلنا مشکل تھا۔

سکتے کے اس پل کا خاتمہ ہونے تک وین روڈ پر رک چکی تھی اور کسی بھی پل آنہ باہر آجاتی۔

ایراہی نے جھک کر جوتا اتار کر ہاتھ میں پکڑا اور اگلے پل اندھا دھند دوڑ لگا دی۔ بیا ایراو کے پیچھے سرپٹ دوڑی۔ رنگے ہاتھوں پکڑے جانے کا خوف جو تھا۔

اس دوڑ کو دیکھنے والے لوگ ششدر تھے۔ خاص طور پر وہ جنہوں نے چند منٹ پیشتر ان دونوں کو نزاکت سے غرور سے منہ کا زاویہ بنا کر نیچے اترتے دیکھا تھا۔ گرتی پڑتی ایراو نے پارکنگ کے بالکل آخر میں ایک مستقل کھڑی رہنے والی گاڑی کے پیچھے آکر پناہ لی۔ بیا نے بھی۔۔۔ دونوں کی نظریں مین گیٹ پر تھیں۔

جہاں سے آنہ جلوہ گر ہوئی۔ پیچھے ملازمہ جو آنہ کے پیکٹز اور باسکٹ کو بمشکل سنبھالے ہوئے تھی۔ آنہ حسب عادت بیگ کو نیچے کی طرف لٹکائے اپنے مخصوص مغرور تک چڑھے انداز میں قدم بڑھا رہی تھی۔

بلو جینز کے ساتھ لمبا آسمانی کرتا اور اسکارف۔ مجال ہے جو ملازمہ سے ایک چیز پکڑ لے۔

نجانے کتنے ہی پل بیتے ان دونوں کو تو صدیاں گزر جانے کا احساس ہو رہا تھا۔ آنہ گھر کے اندر جا چکی تھی، مگر یہ کہاں جاتیں گھر کے اندر؟ یا چھپی رہتیں کہ گاڑی پھنسی کھڑی تھی۔ آگے کنواں پیچھے کھائی۔ اور اگر جو آنہ دیکھ لیتی۔ نہیں، نہیں دونوں نے جھرجھری لی۔

پھر شاید برا وقت ٹل گیا۔ پیچھے والی گاڑی کا مالک اندر سے برآمد ہوا جیسے ہی اس نے اپنی گاڑی پیچھے کی۔ یہ دونوں اپنے بل سے بھاگتی ہوئی آئیں۔ سرعت سے بیا نے ڈرائیونگ سیٹ سنبھالی۔ ایراو کے لیے دروازہ کھولا اور وہ جوتا ہاتھوں میں پکڑے پکڑے ہی سیٹ میں دھنس گئی۔ اس نے بعجلت چابی گھمائی اور اندھا دھند باہر نکل کر گاڑی کو فل اسپیڈ پر ڈال دیا۔ پیچھے مڑ کر نہ دیکھا کہ ایراو مستقل دور ہوتے اپارٹمنٹ کو دیکھ رہی تھی اور دوری کا مسلسل بڑھتا احساس چہرے کے رنگ اور حواس کو واپس لا رہا تھا۔

"خدا کا شکر بچ نکلے۔" ایراو نے پیر جھاڑ کر جوتے پہننے شروع کیے۔

"لیکن یہ آنہ اس وقت کہاں سے ٹپک گئی؟" بیا نے دانت کچکچا کر پوچھا تھا۔

"اللہ جانے۔۔۔ لیکن کیا اچھا نہ ہو کہ ہم ایک جوس پی لیں۔ توانائی کی بحالی کے لیے۔" بیا اس کی شکل دیکھنے لگی جو بالوں میں برش کر رہی تھی۔

"اب یہ نہ کہنے گا۔ اس میں اتنی کیلوریز اور فیٹس ہوں گے۔ اس بھاگ دوڑ میں ہزاروں کیلوریز تو

جلی ہی جلی ہیں، مجھے تو منوں خون جل جانے کا بھی احساس ہو رہا ہے۔"

"آخر ہم کب تک اس طرح بچتے رہیں گے۔" بیا کے دکھی لہجے میں خدشات تھے۔

"جب تک بچ سکے بچتے رہیں گے۔" ابراد نے لاپروائی سے کہا۔

"تمہاری تو خیر ہے۔ تم اس کی سگی بہن ہو اور سائز میں اس سے بھی دگی مگر میرا کیا ہوگا۔" بیا کی فکر ناجائز نہیں تھی۔

"اس مسئلے کا کوئی حل؟" ابراد کو بیا کے غم کا اندازہ ہوا۔

"کوئی بھی نہیں... اب کم از کم تمہاری خود غرض بہن یہ تو کر نہیں سکتی کہ وہ جو اسے ڈھیروں کے حساب سے ملبوسات ملتے ہیں، وہ خود ہی ان کی منصفانہ تقسیم کرتے ہوئے ہمیں ہمارا حصہ دے دے۔"

"تو دے تو دیتی ہیں نا... سب ہم کو ملتے ہیں۔" ابراد نے بہن کی حمایت کی۔

"ہاں... "بیا کی جلی کٹی آواز ابھری۔ "استعمال کے بعد... اور وہ سارے کے سارے بھی تم ہی کو مل جاتے ہیں۔ میرے حصے میں آتے ہیں بچے کھچے سارے اچھے والے تو تمہیں مل جاتے ہیں۔"

"تو اس میں اتنا جلنے کی کیا بات ہے۔ آپ ان کا، میرا... اور اپنا سائز بھی تو دیکھیں۔"

"اب تم بھی طعنہ مارو گی؟"

"طعنہ نہیں مار رہی مگر اونلی ریلٹی بتا رہی ہوں۔"

بیا کچھ نہ بولی منہ بسورا اور رخ ہی پھیر لیا۔

"اب آپ ایسے خفا ہوں گی۔ وہ نہیں دیتیں تو کیا آپ پہنتی نہیں۔ ایک آدھ کو چھوڑ کر باہر نہ سہی، ہم گھر میں تو سارے کپڑے پہن پہن کر ارمان نکال ہی لیتے ہیں۔"

"ہاں تو ظاہر ہے جب گھی سیدھی انگلی سے نہ نکلے تو۔"

"تو پھر شکوے کس چیز کے؟"

"شکوہ یہ کہ یہ جو جو ہے، ملی وہاں ہمارے ساتھ ہوتی ہے اگر جو وہ ہمیں اپنے کپڑوں، سال تک کہ جوتے اور پرس تک میں دیکھ لیتی تو قسم سے وہ کھڑے کھڑے اتروا لیتیں۔"

"جو بھی کر لیں کم ہی ہوتا۔" ابراد نے اس بار حقیقت پسندی کا مظاہرہ کیا۔

"شہروز انو کے پیچھے وہ ڈریسز جو ابھی انہوں نے استعمال تو کیا کرنے شاپرز سے بھی نہیں نکالے تھے۔ ہم نے پہن لیے۔"

"اب ہم واپسی میں گھر کیسے جائیں گے؟" ابراد نے ایک اہم نکتہ پوچھا۔

وہ اس بار مسئلہ نہیں۔ میں نے صبح ہی تمہارا اور اپنا ایک ایک جوڑا گاڑی میں رکھ لیا تھا۔ واپسی میں ہم اپنے ذاتی کپڑوں میں گھر جائیں گے۔"

"اور اگر اس عرصے میں انہوں نے الماری کھول کر دیکھ لی۔" ابراد کو خیال آیا۔

"سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تمہاری سست الوجود بہن یہ اب بیڈ پر آڑی ترچھی گرے گی تو صبح ہی کی خبر لائے گی۔ تم خوامخواہ ڈر رہی ہو۔"

"تھوڑی دیر پہلے ہم دونوں ہی ڈر رہے تھے۔ بھول گئیں آپ؟" ابراد نے چھیڑا۔

بیا ہنسی تھی۔

☼ ☼ ☼

واپسی پر بیا اور ابراد بڑے نارمل حلیے (اپنے لباس و جوتے و لوازمات) میں تھیں۔ چابی اپنے پاس تھی۔ بظاہر خطرے کی کوئی بات نہیں تھی۔ مگر ہاتھ میں پکڑے شاپرز میں خطرہ موجود تھا۔ ویسے تو دور دور تک امکان نہیں تھا کہ آنو کھلے کے بعد تک پہنچتی۔ لیکن برا وقت کب بتا کر آتا ہے۔ اندر داخل ہوتے ہی کچھ انہونی کا احساس ہوا۔ پھوپھو اس وقت ناک شو دیکھا کرتی تھیں۔ مگر آج ٹی وی بند تھا۔

آنو اس وقت سوتی تھی۔ دروازے، کھڑکیاں بند کر کے پردے... مگر اس کے کمرے کا دروازہ کھلا تھا

اور وہ بیڈ پر نہیں تھی۔ سانپ سونگھنے والی بات یہ ہوئی کہ پھوپھو کے کمرے سے رونے اور آئمہ کے اونچا ذرا کچھ کڑوا اور قطعیت سے بھرپور بولنے کی آواز ابھر رہی تھی۔ وہ دونوں ایک دوسرے کو دیکھ کر رہ گئیں۔

ایراد کی سانس خشک تھی کہ بیا کزن ہونے کا مارجن لے لیتی۔ پھوپھو بڑے ہونے کا۔ اس کا کیا ہوگا۔

"جو ہوگا دیکھا جائے گا۔" بیا کی فطری بہادری عود کر آئی۔ وہ سینہ تان کر آگے بڑھنے لگی۔ "پلیز بیا!" ایراد نے ہراساں ہو کر اس کا شانہ پکڑا۔ بیا نے جھٹکے سے شانہ چھڑوالیا۔

"بھئی جو بھی غلطی یا شرارت ہے یا جو بھی ہے ہم نے کیا ہے۔ میں پھوپھو کو روتا برداشت نہیں کر سکتی اور اس سے پہلے کہ تمہاری بس مجھ پر چڑھائی کرے۔ میں اس پر چڑھ دوڑوں گی کہ چند معمولی مادی چیزوں کے لیے کوئی اپنی پھوپھو جانی کو ایسے ہچکیوں سے رلاتا ہے۔"

"وہ چند معمولی مادی چیزیں آئمہ کو ایز اے سلیبرٹی... کمرشل پوائنٹ آف ویو سے پروموشن کے لیے دی جاتی ہیں۔" ایراد کا گھبرانا درست تھا۔

"ارے جاؤ... " بیا پر ذرا اثر نہ ہوا۔ "سلیبرٹی ہوگی تو اپنے گھر میں ہوگی۔ ایسے وہ ہمیں اپنے رعب میں نہیں رکھ سکتی ہے۔"

"وہ اپنے گھر میں ہی تو ہیں۔" ایراد آگے بڑھتی بیا کے پیچھے گھسٹتی منمنائی۔

پھوپھو کے آنسو جھر جھر بہہ رہے تھے اور آئمہ کڑے تیوروں سے بولتی ہی چلی جا رہی تھی۔ مگر موضوع تو کچھ اور تھا۔

"تو اب تم بھی اپنی صفائی دے دو' ورنہ انہوں نے رو' رو کر اپنا حال برا کر لینا ہے۔" آئمہ نے بیا کو مخاطب کیا۔

"صفائی... "بیا اور ایراد نے طائرانہ نگاہ سے کمرے کو دیکھا۔ ہر شے جگہ پر درست' صاف ستھری۔

"کیسی صفائی... "

"تاکہ یہ ہر الزام سے بری الذمہ ہو کر کم از کم رونا بند کر دیں... میں آپ کو روتا نہیں دیکھ سکتی پھوپھو!" سخت تاثرات سے کہتی آئمہ کا لہجہ آخر میں بے چین و بے بس ہو گیا۔

بیا کو بھی گمبھیرتا کا احساس ہوا۔ وہ بیڈ پر پھوپھو کے ساتھ بیٹھ گئی۔ ایراد صوفے پر ٹک گئی۔

"اب آپ بولیں گی یا میں ہی... ؟" آئمہ نے پوچھا۔ شاہی پھوپھو کچھ نہ بولیں۔ ناک سکوڑ کر آنکھیں پونچھ کر جیسے لاتعلقی کا اعلان کر دیا۔

آئمہ ٹھنڈی سانس لے کر گویا ہوئی۔

"پہلے چچی امی کا فون آگیا۔ تمہاری بات ہوئی ہے آج کل میں ان سے۔ تمہارے کسی رشتے وشتے کے چکر میں؟"

"ہاں! روز ہی ہو رہی ہے' وہ کوئی رشتہ ہے؟ رکشہ ہے رکشہ... پھٹ پھٹ کرتا۔ عدنان مسیح کی کاربن کاپی۔ بولے تو یوں لگتا ہے روڑی بجری کوٹنے والی مشین چل رہی ہو۔ چلتا ہے تو بجری کے ٹرک کی سی دھمک پیدا کرتا ہے۔ سانس لیتا ہے' وہ انجن کی پھک پھک... روبوٹ کا رشتہ آیا ہے بیا کے لیے۔" ایراد کے منہ سے بے ساختہ نکلا۔ مگر پھر منہ پر ہاتھ رکھ کر چپ ہو گئی۔ پھوپھو کا چہرہ بے حد گمبھیر تھا۔ آئمہ کا سنجیدہ۔

"تو تم نے چچی اماں سے کیا کہا؟" آئمہ نے پوچھا۔

"ابا کہتا ہے میں سب کہا جو تمہیں کہہ رہی ہوں۔ مجھے اس طرح کے انسان سے شادی کرنا ہی نہیں ہے۔ شادی میں اسی بندے سے کروں گی جو اسمارٹ ہو۔ لڑکا سا ہو۔ اماں مانتی نہیں تو بہ الفاظ میں نے اس بندے کو فون کر کے کہہ دیے۔ بس... لیکن تم یہ سب کیوں پوچھ رہی ہو۔ تمہیں کس نے بتایا۔ یہ تو ہم ماں بیٹی کی آپس کی بات تھی؟" بیا چونکی۔

"انہوں نے کہا کہ مردوں کے لیے میرے دل میں جو نفرت اور بغض اور بے یقینی ہے ان خیالات سے میں تم لوگوں کی برین واشنگ کر رہی ہوں۔ میں اپنے رشتوں کو نبھانے میں نااہل ثابت ہوئی ہوں اور مزید کسی رشتے کو بندھتے دیکھ نہیں سکتی۔ ورنہ بیا نے کبھی شادی سے انکار کیا ہی نہیں۔"

ساری گتھی یکدم سلجھ گئی۔

"تو میں نے اب بھی کب شادی سے انکار کیا ہے۔ میں نے تو اس رو ڈ ہولڈر کو منع کیا ہے۔"

"اس لڑکے نے تمہاری فون کال کی باتیں اپنی ماں کو سنائیں اور اس کی ماں نے جو جو تمہاری ماں کو سنائیں رہے سہے زہر ضرب دے کر انہوں نے میرے کانوں میں انڈیل دیا۔ بھابھی یہ بھی کہہ رہی تھیں کہ نجانے کتنی زرعی زمینوں کا مالک اکلوتا بندہ ہے۔ وہ بہترین رشتہ۔"

"ارے واہ کہاں کا بہترین رشتہ۔" یا نے ہاتھ نچایا۔ "مجھے تو پہلے ہی شک ہو گیا تھا وہ خود سے شادی پر راضی ہی اسی لیے ہوا ہو گا کہ ان زرعی زمینوں پر ہل جلانے کے لیے بیلوں کی جوڑی کی جگہ خود بھی چلے گا اور مجھے بھی جوت دے گا۔ تھینک گاڈ رس پھوپھو... ذرا تصور کی آنکھ سے دیکھیں تو... بیلوں کی جوڑی کی جگہ... میں... پھوپھو میں... کانٹ یو امیجن اور مائی گاڈ!!"

ابرار کو بڑے زور کی ہنسی آئی۔ اس نے دونوں گال دانتوں میں کس لیے۔ ہنسنے کا موقع نہیں تھا۔ پھوپھو رو رہی تھیں۔

"فضول باتیں مت کرو۔ تم خود بھی تو بیل ہو بیا... بل کیسے۔"

"دیکھیں کہ اب میری اپنی پھوپھو بھی..." یا نے آمنہ اور ابرار کو دیکھا۔ ان کے چہروں پر بھی تائیدی مسکان آگئی تھی۔

"میں ممی سے بات کروں گی کہ انہوں نے آپ کے ساتھ زیادتی کی ہے اور وہ لائف پارٹنر کے حوالے سے میرے آئیڈیل سے واقف بھی ہیں۔ میں تو کمپرومائز نہیں کروں گی۔ ہاں اس جیسا ملا تو پھر کچھ اور سوچوں گی۔"

"تو لڑکے بھی تو ہلکی پھلکی لڑکی چاہتے ہیں نا۔ بس چلے تو ترازو میں تلوا کر رکھ لیں۔" پھوپھو جیسے تنگ ہو گئیں۔

"ارے واہ" یا کے چہرے پر شریر مسکراہٹ آ رکی۔ اس نے آنکھیں نچائیں۔ "ضرور تلوائے۔ مگر دوسرے پلڑے میں سونا چاندی رکھے پھر... ہی ہی ہی۔"

اس کے بے ساختہ انداز پر آمنہ تو گھورنے لگی۔ جبکہ پھوپھو کی اچانک زور کی ہنسی نکل گئی۔

"ارے واہ..." یا اچھل کر ان سے لپٹ گئی۔ "ہنستے ہوئے کتنی پیاری لگتی ہیں میری پھوپھو۔ میں کروں گی اپنی ممی کو فون... اور کریں گی وہ ایکسپلین... ایسے کیسے میری پھوپھو کو رلایا کوئی تماشا ہے بھلا۔"

"چھوٹی بھابھی ہی کیوں... بڑی بھابھی جان نے بھی وہاں بجی سے فون کر کے نجانے کیا کیا کہہ دیا۔"

"کیا کہہ دیا؟" یا کے منہ سے نکلا اور پھر اس نے زبان دانتوں تلے داب لی۔ سب معلوم تو تھا ہی۔

"یہی کہ آمنہ کا دماغ خراب کرنے میں سارا ہاتھ میرا ہی ہے۔ جو نفرت اور بے اعتباری مجھے ہوئی۔ وہ سب میں نے آمنہ میں انڈیل دی... اور یہ کہ میں نے تو تنہائی کے خیال سے بچی کو پاس چھوڑا تھا۔ مجھے کیا پتا تھا۔ میں لڑکی کو فطرت سے دور کروں گی اور بھی نجانے کیا کیا کچھ... اللہ گواہ ہے بیا! میں نے تو کبھی چھپ کر بھی آنسو نہیں بہائے کہ سوجی آنکھیں دیکھ کر آمنہ کچھ سوچنے نہ لگے۔ میں کیوں اسے کچھ بتاتی یا سمجھاتی... مجھے دکھ رونے کی عادت نہیں ہے۔ میں نے تو ہمیشہ خود کو الجھا رکھا ہے۔ کاموں میں، ٹی وی، شاپنگ، تم لوگوں کے ساتھ تم لوگوں کی طرح جینا اور... پوچھو آمنہ سے، میں نے کبھی اسے کچھ کہا ہو۔ کبھی اس کے سامنے روئی ہوں اور بھابھی کہتی ہیں میری ناکام زندگی کو دیکھ کر ہی شادی آمنہ کی ترجیحات میں ہے ہی نہیں۔"

"کیوں کواہیں مانگ رہی ہیں آپ۔" آمنہ کے اشارے پر بیا ذرا پیچھے سرکی۔ آمنہ نے پھوپھو کے شانے پر بازو رکھا۔ "آپ نے کبھی میرے سامنے دکھ نہیں روئے۔ مگر مجھے ہمیشہ پتا لگ جاتا تھا۔ آپ دکھی ہوتی تھیں... اور آپ جیسی پیاری عورت کے ساتھ

جو کچھ پھوپھا نے کیا میں اسے فراموش کر بھی دوں تو وہ آخری دھوکا مجھے کبھی نہیں بھولتا۔ ہم شام تک اور پھر اگلے روز تک۔۔۔ اور پھر آنے والے کئی روز تک ہم شاہ میر کا انتظار کرتے رہے۔ دل ہولتا رہا کہیں کچھ ہو نہ جائے اور وہ باپ کے ساتھ ملک سے باہر جا چکا تھا۔ ملک سے باہر ایک دم نہیں چلے جاتے۔ ایسے کیسے ہو سکتا ہے۔ شاہ میر بے خبر ہو اور اس نے ماں کو ہوا بھی نہ لگنے دی۔"

"پھوپھا جیسے گھاگ کے پاس تو پورا پلان ہوگا۔ شاہ میر نے اپنی مکاری کہاں سے سیکھی؟" سوال سے زیادہ آئزہ کا لہجہ چبھتا ہوا تھا۔

"تو اس سے ہم نے یہ سیکھا کہ مرد پچاس سال کا ہو یا دس سال کا۔۔۔ مرد ہوتا ہے اور وہ عورت جس کی فطرت میں۔۔۔ سب کو ایک جیسا نہیں کہتی مگر مما کے بتائے یہ رشتے۔۔۔ ٹی وی میں دیکھ کر پسند کر لیا۔۔۔ میں آئیڈیل ہوں۔ خوب صورت ہوں وہ میرے فین ہیں۔ نفرت ہے ان بلبلے جیسے جملوں سے اور رہا ان رشتے والے موصوف کا معاملہ۔۔۔ جن پر مما۔۔۔ فدا ہیں۔ وہی کے برعکس میں جانتی ہوں میں انہیں۔ کسی شوبز سلیبرٹی سے شادی کر کے فیم حاصل کرنا چاہتے ہیں۔۔۔ اور وہ آدمی جو عورت کو کسی بھی حوالے سے اپنے فائدے کے لیے استعمال کرے۔ اس سے تو مجھے گھن آتی ہے۔ عورت فائدہ حاصل کرنے کا ذریعہ نہیں ہو سکتی۔ کیونکہ عورت خود اپنی بذات میں بہت بڑا منافع ہے۔"

"تم کتنی اچھی باتیں کرتی ہو آئزہ میں تو تمہیں بس ایک نخریلی، ست الوجود اپنی نیوز کھانے والی لڑکی سمجھتی تھی۔" ہیا سحر زدہ تھی۔

آئزہ خاموشی سے تعریف سنتی رہی عاجزی سے۔۔۔ مگر جملے کے اختتامی حصے پر وہ اچھلی۔

"تم مجھے یہ سب سمجھتی ہو۔۔۔ نخریلی اور ست الوجود۔" وہ دھاڑی اور جھپٹی۔

ہیا نے پھوپھو کے پیچھے پناہ لی مگر ہیا کے موٹے چوڑے وجود کے سامنے پھوپھو کا سہارا کیا؟

☼ ☼ ☼

آخر زندگی ایسے کیسے گزر سکتی ہے۔ انتھک جدوجہد' ناامیدی اور خالی پیٹ کی زندگی تو ٹھیک پھر ہوا تیمور کہ دراصل پیٹ ہی سب کچھ ہے' باقی سب جھوٹ یا ثانوی۔ ایک جانب انسان جاب لیس ہو' پھر چھڑا چھانٹ ہو اور بھوکا ہو تو زور کس پر ہو' بھوک پہ۔ جسم میں جان ہوگی تو کام ڈھونڈا جائے گا نا۔"

وہ بڑے سے جائے کے مگ کے ساتھ باپ کا غم غلط فرما رہا تھا۔ ہر گھونٹ سے اپنی کم مائیگی کا احساس بڑھ جاتا۔

"سب ہی کا گزارہ ہو رہا ہے مگر ایک میں۔" اس پر خود ترسی غالب ہونے لگی۔

عاشر کے آفس میں دوپہر کو لنچ ملتا تھا۔ وہ ساری کسر ہی نکال لیتا۔ اوپر ادھر ادھر سے چٹخارے بھر لیتا۔

مسئلہ تو تیمور کا تھا اسے نوکری مل کے ہی نہیں دے رہی تھی۔ تمام ٹائم گھر پر اور ان دونوں نے اسے ایسے ہی سمجھ لیا۔ گھر میں گھستے ہی ہانک لگاتے۔

"آج کیا پکایا ہے۔"

یہ نفی میں سر ہلاتا تو وہ طعنے دیتے کہ کیا سوکنیں دیتی ہوں گی۔

"سالے تو گھر میں رہ کر ایک ہانڈی بھی نہیں بنا سکتا۔ گھر تو صاف رکھنا آتا ہی نہیں۔ یہ دیکھ اس ٹیبل کا حال دیکھ۔" عاشر بڑے ہونے کا ناجائز فائدہ اٹھاتا۔ شہادت کی پور پہ لگی دھول اس کے چہرے کے عین سامنے کر دیتا۔

اب چونکہ گندگی اسے بھی نہیں بھاتی تھی۔ سو اگلے روز وہ جی لگا کر صفائی کرتا۔ گھر کو سجانے سنوارنے سے فرصت ملے تو جاب کی تلاش کو جائے گا نا۔ وہ فون پر اسی کو بتاتا۔

یہی حال ہانڈی کے ساتھ ہوتا۔ وہ دل لگا کر تیار کرتا۔ تب وہ اتنے کیڑے نکالتے کہ تیمور کا دل کرتا چلو بھر شوربے میں ڈوب کر جان دے دے۔

تیمور کا ایک مسئلہ یہ بھی تھا کہ وہ کوئی بھی کام کرنا

اسے مکمل اور درست کرنا چاہتا۔

اس نے چائے کو چھوڑا اور لیمی کی بھنڈی کو دیکھا۔ تینوں کو مسالہ بھری بھنڈی بہت پسند تھی۔ اس نے اماں کو فون کر کے ترکیب پوچھنی چاہی مگر دائے قسمت فون اماں کا۔ ابا کے ہاتھ میں۔ ارے باپ رے۔

"ہاں ہاں' تم بھنڈیاں ہی بناتے رہنا۔ اور وہ جو میں نے تمہیں جاب کے لیے کہا تھا کہ میرے دوست کے آفس جانا۔ اسے اکاؤنٹ ڈپارٹمنٹ میں بندہ چاہیے وہ کیا ہوا۔"

"اوہ نو!" تیمور نے اپنے بالوں کا گچھا مٹھی میں جکڑا۔

"ڈیڈی کسی اور کا فون ریسیو نہیں کرتے۔"

"دکھ سے!" ڈیڈی کے سر پر لگی۔ "یہ کسی بیوی ہے میری۔"

"میں کب انکار کر رہا ہوں میں تو بس کہہ رہا تھا یہ مینرز کے خلاف ہے۔"

"مینرز کے بچے! تم فرقان کے آفس گئے؟"

"میں سفارش پسند نہیں کرتا ڈیڈی! اپنے بل بوتے پر کروں گا جو کچھ کروں گا۔ در اصل اپنے زور بازو۔"

"زور بازو کے باپ! تو ادھر فون کیوں کیا۔ یہ بھرواں بھنڈی بھی اپنے بل بوتے پر بنا لینی تھی۔ خبردار آئندہ میری بیوی کو فون کیا؟" ڈیڈی نے دھاڑ لگائی اور فون پٹخ دیا۔ تیمور کے کان میں سیٹی سی بجنے لگی۔

"اکاؤنٹ میری فیلڈ ہی نہیں ڈیڈی! آپ سمجھ کیوں نہیں لیتے۔" تیمور صوفے پر تسلی سے بیٹھ کر دیکھنے لگا۔

گہری سوچ نے گھڑی کی بڑھتی سوئیوں تک دھیان ہی نہ جانے دیا۔ نذیر کے جانے کے بعد سے فریج بھی تقریباً "خالی تھا"۔ کچھ کباب موجود تھے۔ مگر آخر کباب کب تک کھائے جا سکتے تھے۔ آلو تھے وہ بادی ہوتے ہیں تو رہ گئی بھنڈی۔ ہاں مونگ کی دال بھی پڑی تھی۔ اس نے کچھ خیال آنے پر ٹی وی چلا لیا۔ چینل سرچنگ کے دوران سوچا جا سکتا تھا۔ تب ہی نگاہ کوکنگ چینل پر پڑی۔ وہ تو جیسے اچھل پڑا۔ مگر کچھ دیر بعد جھلا کر ریموٹ اچھال دیا۔ ایک جگہ کوئی دس طریقے کے کیک سکھائے جا رہے تھے۔ دوسری طرف رنگین اشرفیوں والا سفید زردہ' سندھی بریانی اور مکس سبزی رائتہ۔ ایک دوسرے چینل پر شربت دیک بنایا جا رہا تھا۔ شربت ہی شربت۔ ہر رنگ ونسل ذائقے کے شربت۔

یہ چینل والے آسان روزمرہ کی چیزیں کیوں نہیں بناتے۔ اس کے دکھی دل نے دہائی دی۔ ساتھ ہی دماغ میں ایک شاندار خیال سوجھا اور اس نے خود کو داد دینے کے بجائے جی بھر کے کوسا۔ کہ پہلے اس جانب دھیان کیوں نہ دیا۔

بک شاپ پر گیا اور کوکنگ بکس کو ہاتھ لگایا کہ کرنٹ لگا۔ اتنی مہنگی اور وہ بے چارہ آج کل بے روزگار۔

درخواستیں دے دے کر تھک گیا۔ اپائنٹمنٹ لیٹر نجانے کب ملے گا اللہ جانے۔

کیسے ہوتے ہیں وہ خط جن کے جواب آتے ہیں دل گرفتگی سے سوچتے ہوئے اس نے نزدیکی بڈھے بابے کی پرانی کتب و رسائل والی ریڑھی سے بوسیدہ اوراق والی ایک ترکیب والی کتاب بیس روپے میں خریدی۔

☆ ☆ ☆

اگر نوکری نہ ملی تو کیا؟ ایسے ہی دونوں کام پر جانے والے بھائیوں کے لیے کھانا بنایا کرے گا۔ صبح جب ابوذر اور عاشر تیار شیار ہو کر خوب سارا پرفیوم اسپرے کر کے آفس کے لیے نکلے۔ تب بکھرا گھر دیکھ کر تیمور خود ترسی کا شکار ہو گیا۔

وہ کیا ان کا نوکر ہے۔ نوکر سے یاد آیا نوکری بھی نہیں ملی۔ تو کیا حیدر آباد چلا جائے۔ مگر حیدر آباد میں نوکری کہاں ملتی ہے۔ سارے چینلز تو کراچی میں تھے۔ سینئر پروڈیوسر سے اختلاف کے بعد استعفیٰ دیتے ہوئے اندازہ نہیں تھا۔ جاب اتنی مشکل بن جائے

کی۔

اور حیدر آباد چلا گیا تو ڈیڈ طعنے دے دے کر وہ جگر چھلنی کرتے کہ پھر کہیں پیوند کاری نہ ہو پاتی۔

انہیں اس کا میڈیا کی فیلڈ میں کام کرنا پسند ہی نہ تھا۔

تین بھائیوں میں بڑے بھائی جان فوج میں تھے اور کوئٹہ پوسٹڈ تھے۔ ڈیڈ کے چہیتے۔ پھر عاشر اعلا تعلیم کے ساتھ ملٹی نیشنل میں اعلیٰ پوسٹ۔ یہ دونوں بھائیوں سے عمر میں بہت چھوٹا اور ماں کا لاڈلا تھا۔

ہائے! ماں کا لاڈلا' اس وقت کیسے صفائیاں' دھلائیاں کررہا تھا۔ گھر سنبھالنے کے بکھیڑے۔ چیتھڑوں کو ملازم۔ ملتی نہیں تھی ورنہ ملازم ٹکتے نہیں تھے۔

یعنی کہ تیمور کی بے روزگاری سے عاشر اور ابوذر نے جی بھر کے فائدہ اٹھایا اور ابوذر چچا کا بیٹا تھا۔ اسے کراچی میں ملازمت مل گئی۔ عاشر اور تیمور فلیٹ میں اکیلے رہ رہے تھے۔ یہ بھی ساتھ رہنے لگا۔

سارا گھر بکھرا ہوا تھا۔ وہ گھوم گھوم کر دیکھنے لگا۔ کام کہاں سے شروع کرے۔ تب ہی ڈور بیل پر چونکا۔ اتنی صبح صبح کون آگیا۔

دروازہ کھولا سامنے پوسٹ مین تھا۔

اس نے بے دلی سے لفافہ کھولا۔ جمائی روکی۔ آنکھیں ملیں۔ پھر اچھل پڑا۔ جیسے کپڑوں میں چوہا گھس جائے۔ نجانے یہ کون سی ڈانس فارم تھی۔

''اپائنٹمنٹ لیٹر... ارے میرے اللہ... اماں... اماں جان۔'' وہ فون کی سمت بھاگا تھا۔

☼ ☼ ☼

کیمرے کے آگے تو بس ایک ہنستا مسکراتا تیار شیار چہرہ پیش ہوتا تھا۔ مگر اس پیش کش کے پیچھے والوں کو دانتوں پسینہ آجاتا۔

وہ خاصا تجربہ کار تھا۔ مگر کوکنگ شو ایک قطعی مختلف چیز تھا۔ شو تین سے پانچ تک کا تھا۔ مگر اسے صبح ہی جانا پڑتا۔ کیا پکنا ہے کے حوالے سے خریداری۔ خوب صورت برتنوں کا انتخاب۔ سیٹ کے لوازمات' کیونکہ شوق اور سیکھنے کی لگن بہت زیادہ تھی' سو ہر چیز میں گھستا۔ تھکان ہوجاتا' مگر جب شو کامیاب چلا جاتا' تب ساری تھکان اڑن چھو ہوجاتی اور کل کے لیے تازہ دم۔ ایم سی آر کی تکنیک' لائیو کالرز سے ڈیل اور سب سے بڑھ کر شیف کو اشاروں سے سمجھنا یا اسے اشاروں سے سمجھانا۔

یہ کوکنگ چینل کے پورے ایک دن کا سب سے کامیاب شو تھا۔ محنت تو سب ہی کرتے تھے' ہر حساب سے مگر۔ ''تھری ٹو فائیو' دس ازمائی کوکنگ ٹائم'' کی بات ہی نرالی تھی۔ اس کی ریٹنگ پورے ویک میں سب سے بالا آتی اور یہ شاید سب کی محنت تھی۔ قسمت یا پھر پروگرام کی میزبان شیف۔ جس کی موجودگی سے اسکرین جگمگا جاتی تھی۔ جسے کوکنگ سے ذرہ بھر دلچسپی نہ ہو۔ وہ محض شیف کی صورت دیکھنے کو دو گھنٹے پلکیں جھپکائے بغیر بیٹھ جائے۔

اور بڑے مزے سے جاب کے بل بل کو انجوائے کرتا۔ تیمور ہر روز نیا تجربہ حاصل کرتا' ہر چیز کو سمجھتا۔ نہیں سمجھ پایا تو اپنی شیف کے مزاج کو۔

وہ اپنے فن میں ماہر تھی۔ بنیادی طور پر وہ بیکری کھانے بنانے کی مہارت رکھتی تھی۔ ساتھ ہی بیکنگ' کیک' پیسٹری' پزا بھی خصوصیت تھی۔ یہ سب کورسز اس نے باہر ملک سے کیے تھے کہ وہ عرصہ دس برس سے دبئی میں مقیم تھی اور چینل کے مالک کے دوست کی بھانجی تھی اور وہی اسے درحقیقت میڈیا میں متعارف کروانے والا تھا۔ شروع میں سختی سے انکار کرنے کے بعد جب اس نے ایک بار اس فیلڈ میں قدم رکھ دیے۔ تب اسے اس کے اسکوپ کا اندازہ ہوا اور کوکنگ کے حوالے سے سرسری شوق کو باقاعدہ اپناتے ہوئے پھر اس نے دیسی کھانوں میں مہارت حاصل کرنے کے لیے مختلف کورسز کرلیے۔ تاوقتیکہ ان میں بھی طاق ہوگئی۔

آن اسکرین شیف بہت شان دار تھی۔ اپنے حسن اور اداؤں میں مخصوص اسٹائل سے بولتی۔ بچھ

کوکنگ ایکسپرٹ اپنے ہاتھوں' انگلیوں اور ناخنوں کو انتہا حد تک سجا کر پیش کرتی تھیں کہ ان کے ہاتھ ہی نظر آیا کرتے۔ جب وہ گوندھتیں' کاٹتیں' چکھتیں مگر اس کی کلائیاں' انگلیاں اور ناخن ترشے ہوئے کسی بھی سجاوٹ سے پاک ہوتے بالوں کو سختی سے کھینچ کر لمبی پونی باندھ کر کوکنگ کرتی۔ لیکن پروگرام کے آخری بریک کے بعد جب اسے پکے ہوئے کھانوں کو ٹیبل پر سجا کر ان کی سیلز کے جواب دینے ہوتے نزاکت' مہارت اور اداؤں کا مکمل نمونہ سامنے ہوتا۔

☼ ☼ ☼

کہاں تو وہ بے دلی سے کافی پینے آیا تھا اور کہاں دل خوشی سے جھومنے لگا۔ سامنے وہ حسینہ جو چھلاوہ محسوس ہونے لگی تھی۔ اپنی تمام تر جلوہ سامانیوں کے ساتھ کھڑی تھی۔ وہی ڈبوں کو اٹھا اٹھا کر دیکھتی۔ لکھے ہوئے اجزا کا۔۔ گہرائی سے مطالعہ کرتی۔

عاشر نے ٹیپ کو ٹیبل پر پٹخا اور اس کے سر پر پہنچ گیا۔ آج کا موقع وہ کسی صورت ضائع نہیں کرے گا۔ وہ پیجوں کے بل جھکی آٹے کے تھیلوں پر لکھے نجانے کون سے اسرار کھوج رہی تھی۔ عاشر نے نہ آؤ دیکھا نہ تاؤ' پانچ کلو مشہور چکی کا آٹا ٹرالی میں رکھ دیا۔ اس نے چونک کر سر اٹھایا۔ نخرے سے بیزار آنے کے گھورتے عاشر پر نگاہ کی' خفگی اور اس میں شناسائی کے رنگ ابھر کر معدوم ہو گئے۔ اب صرف سوالیہ رنگ رہ گیا تھا۔ وہ حیرت سے دیکھ رہی تھی اسے اور از حد حیرت سے آٹے کے تھیلے کو۔۔۔

"میں نے سوچا ابھی آپ کو اسے اٹھانے میں پرابلم ہو گی اسی لیے۔"

"تھینکس۔" وہ مسکرائی اور عرصے بعد عاشر نے تھوک نگل لیا۔ خوب صورت لوگوں کے مسکرانے کی پیشگی اطلاع دینے کا کوئی پاس ہونا چاہیے۔ ایسی ناگہانی موت سے اللہ اللہ۔

"مگر مجھے اسے لینا نہیں تھا۔ میں صرف دیکھ رہی تھی۔"

"میں واپس رکھ دیتا ہوں۔" عاشر جیسے حکم کا غلام ہوا۔

"آپ!"

"آپ!"

دونوں کے لبوں سے ایک ساتھ برآمد ہوا۔ پھر دونوں ہی چپ ہو گئے۔

"آپ کہیے۔" وہ ایک بار پھر مسکرائی۔

عاشر نے لیڈیز فرسٹ والے اصولوں پر لعنت بھیجی کہ پہلے آپ۔۔۔ وہ در اصل کہنا سننا وہی تو چاہتا تھا۔

"ہمارا یوں سرِراہ بار بار ملنا محض اتفاق تو نہیں ہو سکتا۔ اس کا مطلب ہے کہ۔۔۔"

"بالکل صحیح۔۔۔ اور اس کا یہی مطلب نکلتا ہے کہ ہمارا راستہ ایک ہے۔"

"اوف۔۔۔ کیا ایسا نہیں ہو سکتا کہ منزل بھی ایک ہو جائے۔" عاشر صاحب کا پہلا موقع تھا۔ وہ کون سا جھوٹ بول رہا تھا یا فلرٹ کرنا چاہتا تھا۔ سو منہ پھاڑ کے کہہ دیا۔

"اتنی بڑی بات آپ نے اتنی آسانی سے کہہ دی اور یوں جھوٹے ہی۔۔۔" اس کی بڑی آنکھیں حیرت کے باعث اور زیادہ بڑی ہو گئی تھیں۔

"سچ بولنا کبھی مشکل نہیں ہوتا۔" عاشر کے چہرے کی خوشی لہجے میں بھی عیاں تھی۔

"آپ نے سچ جھوٹ کا فیصلہ بھی خود سے کر لیا۔"

"میں فیصلہ کرنے والا کوئی نہیں۔ مگر یہ تو جانتا ہوں نا کہ سچ کہہ رہا ہوں اور منزل کے ایک ہو جانے کا کہہ کر سوال ہی تو پوچھا ہے۔ آپ جو جواب دیں' جو بھی آپ کی رائے۔"

عاشر کے لہجے سے سچائی ٹپک رہی تھی۔ اجنبی حسینہ نے جانا۔

"ہوں۔" اس نے ہاتھ سینے پر لپیٹ لیے۔ دلچسپی بڑھی تھی۔ "رائے دو طرح کی ہے یا تو آپ بہت بڑے کھلاڑی ہیں یا پھر بڑے اناڑی۔"

"اب میں کچھ کہوں تو جانب داری کا الزام بھی لگ

جائے گا بااپنے منہ میاں مٹھو والی بات۔ سو فیصلہ آپ ہی کیجئے۔ بڑی طمانیت اور بے فکری سے کھڑی سوال و جواب کر رہی ہیں۔ جبکہ میرا دل ڈر رہا ہے۔ اگر جو آپ کسی کو آواز دے کر کہہ دیں کہ میں لڑکی کو تنگ کر رہا ہوں یا سینڈل ہی اتار لیں۔"

عاشر کا لہجہ سچائی کا مظہر تھا۔ وہ کھلکھلا کر ہنس دی۔ عاشر نے سہارے کے لیے ٹرالی پر دونوں ہاتھ رکھ دیے۔ ایسی جلترنگ... جلترنگ تھی۔ تب وہ متبسم لہجے میں گویا ہوئی۔

"میری طمانیت کی وجہ کچھ اور ہے۔ مجھے آپ جیسے ٹکرتے ہی رہتے ہیں۔"

عاشر کا چہرہ اور جوش و خروش پہلی بار سہما ہوا۔

"بہر حال آپ مجھ سے کیا چاہتے ہیں۔" ناضر جواب حسینہ نے بات سمیٹنی چاہی۔

"کچھ نہیں۔" عاشر کے منہ سے نکلا۔ "میرا مطلب ہے پتا نہیں، مگر مجھے لگتا ہے آپ کے اور میرے بیچ کچھ کنکشن ہے۔ جب ہی تو ہم بار بار ملتے ہیں۔"

"دونوں میں نے آپ کو جتایا ناہمارا راستہ ایک ہے۔" وہ مسکرائی۔

"نہیں راستے کی بات نہیں۔ ان سرسری سی سر راہ ملاقاتوں کے بعد آپ بھولتی نہیں۔ ہر جگہ آپ ہی نظر آتی ہیں۔ اب جیسے یہ سامنے دودھ کے ڈبے پر بنی تصویر والی خاتون میں آپ نظر آ رہی ہیں' وہ ادھر سامنے۔" عاشر نے سر کے عین اوپر بڑے سے اشتہاری بینر کی طرف اشارہ کیا۔

"وکنگ آئل کے ڈبے کو لیے جو خاتون ماستا کا اظہار بنا رہی ہیں۔ وہ بھی مجھے آپ لگ رہی ہیں۔ بلکہ..."

"اس لیے کہ..." ٹرالی کو ریورس کر کے آگے جانے کا اشارہ دیتی حسینہ نے دونوں خواتین کو سرسری دیکھا۔ "وہ میں ہی ہوں۔"

عاشر کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر وہ پلی بھر کی' مسکرائی اور اسے حق دق وہیں چھوڑ کر آگے بڑھ گئی۔

☼ ☼ ☼

ٹی وی لاؤنج کے صوفوں پر چاروں براجمان تھیں۔ اور ٹی وی پر کرکٹ میچ چل رہا تھا۔ ساری قوم دعا گو تھی کہ اوپنرز جم جائیں کہ رنز کی مضبوط بنیاد ہی جیت کا باعث بنے گی۔ مگر ان سب سے پرے ایراو کے دونوں ہاتھ جونٹوں سے جڑے تھے کہ یہ سب کے سب آؤٹ ہوں اور آفریدی پچ پر آجائے۔

"ہائے یہ آفریدی کو اوپنر کیوں نہیں بنا دیتے۔"

"اوپنر... آفریدی؟" بیا کو دھچکا لگا۔ "مگر کیوں؟"

"اس لیے کہ میں اسے دیکھ سکوں۔"

"بس پلک جھپکنے کی حد تک۔" پھوپھو کی جلی کٹی آواز آئی۔ "قسمت یا آواری کرے تو کرے۔ وہ تو ہوا کا جھونکا بن کر آتا ہے۔ یوں لگتا ہے جیسے چھو کر گزر گیا۔"

"ہائے پھوپھو..." ایراو جھوم اٹھی۔ "کیا شاعرانہ تشبیہ استعمال کی ہے۔ ہوا کا جھونکا۔ چھو کر گزرا' اف..." نجانے کیسی سرشاری سے اس نے آنکھیں میچیں۔

"لیکن یہی جھونکا اگر ٹک گیا نا تو مخالف ٹیم کے لیے طوفانی جھکڑ میں بدل جائے گا۔ سب کچھ اکھاڑ پچھاڑ دے گا۔"

"ہاں۔" پھوپھو کا لہجہ استہزائیہ ہو گیا۔ "اگر ٹک گیا؟"

"اسے میچ کی فکر نہیں ہے' نہ ہار جیت سے مطلب۔" آرٹ نے پہلی بار لب کشائی کی۔ وہ اپنی ڈریسنگ ڈراؤنو کے نیچے کپڑوں کے ڈھیر کے ساتھ بجی ہوئی تھی۔ سرسری نگاہ سے ٹی وی دیکھتی' ہاں کان گفتگو پر لگے ہوئے تھے۔

"اسے بس آفریدی کو دیکھنا ہے۔"

"تو اس کا تو حل ہے نا اسے کرکٹ سے ریٹائرمنٹ لے کر ماڈلنگ شروع کر دینی چاہیے۔ صبح سے شام ان دی گراؤنڈ۔ بی بی سی۔"

پھوپھو اور آرٹ غصہ پر ہیں۔ ایراو نے بیا کو گھورا۔

"اب بولنا بند کرو اور میچ انجوائے کرو۔ اور کرنے دو۔" ابراو نے خفگی سے کہا۔

آخر آخری اوورز کے میچ میں دلچسپی لیتی تھی۔ صرف ابراو تھی جو پلکیں جھپکنے کو بھی تیار نہ ہوئی۔ اس وقت پاکستان کی اوپننگ چل رہی تھی اور میچ بہت دھیلا تھا۔ آخر فون پر چند ایک ڈیمپسز کو چھوڑ کر باقی سب میں کیڑے نکال رہی تھی۔

ایک سے ایک اسٹائلش قیمتی پیارے کپڑے۔ بیا کے چہرے پر حسرت پھیل رہی تھی یہی حال ابراو کا بھی تھا۔ جب دونوں کی نظریں کپڑوں سے ہٹ کر آپس میں ٹکرائیں تب دونوں کو ایک دوسرے کے دل کا حال معلوم ہوا اور یہ بھی کہ اس وقت دل پر کیا بیت رہی ہے اور آنے والے وقت کے لیے دماغ میں کیا چل رہا ہے۔ اسی وقت پھوپھو نے سخت تاسف میں گھر کے سر ہاتھوں پر گرا لیا۔ جبکہ ابراو خوشی سے بھنگڑے ڈالنے لگی۔ جتنی جلدی کھلاڑی آؤٹ ہوتے اتنی ہی جلدی آفریدی آتا ہیں۔ بہرحال کھلاڑی پکے پھل کی طرح گرتے رہے اور آفریدی پہنچ ہی گئے۔

اور جب آفریدی اسکرین پر آیا تو ابراو جیسے پاگل ہو گئی۔

"یہ اتنی چھچھوری حرکتیں تم نے کہاں سے سیکھیں۔" اس کا نعرہ ہونا پھوپھو کی برداشت سے باہر ہو گیا۔

یک دم ابراو نے فلک شگاف چیخ ماری تو سب اسکرین کی طرف متوجہ ہو گئے۔ اور پھر ان چیخوں میں آنٹ بیا اور پھوپھو تک کی شمولیت ہو گئی۔ کہ آفریدی تک گیا تھا۔ دے چھکے پہ چھکا۔ چوکے پہ چوکا اور ان ہی کے گھر پر کیا ہنگامہ۔ ہر محلے کھڑکی سے چیخیں ہاہاکار اور نعرے بلند ہو رہے تھے۔

آفریدی نے اپنے ہی قائم کردہ کسی شاندار ریکارڈ کو توڑ ڈالنے کی قسم کھائی تھی۔ چیخ چیخ اور اچھل اچھل کر ابراو کا گلا بیٹھ گیا مگر۔

چھکے چوکے سانس لینے کے بھی مہلت نہیں دے رہے تھے۔ پاکستان واضح ہار تا میچ جیت جانے کو تھا۔ اب کوئی رکاوٹ نہ تھی۔

ہر بار بلے پر گیند چڑھتی۔ تب سب آنکھیں میچ لیتے۔ پیٹ میں گرہ سی بندھ جاتی۔ بھرپور ہوٹ کے شور پر ایک آنکھ کھول کر ڈرتے ڈرتے اسکرین دیکھتے۔ شور آؤٹ ہونے کا تھا یا ایک اور چھکا پڑا ہے۔

اور وہ چھکا یا چوکا ہی ہوتا۔ ابراو کا حال برا تھا۔ وہ بیٹھ جاتی۔ کھڑی ہو جاتی۔ اچھل پڑتی۔

کہاں ہارنے کا خوف اور کہاں اب مسلسل پڑتے چھکے بھی دل ناتواں کی برداشت سے باہر ہو رہے تھے۔

"یہ حرکتیں (اخلاق باختہ) پھوپھو کے نزدیک اب حد ہو گئی تھی۔ وہ جارحانہ عزائم کے ساتھ اٹھیں۔ کان سے پکڑ کر دو لگاتیں اور پھوپھو کے عزائم کی راہ میں بزور بجلی حائل ہو گئی۔

"دیکھا۔" پھوپھو نے آگے بڑھ کے آواز میوٹ کر دی۔ ساتھ ہی اچھلتی ابراو کا بٹن بھی جیسے آف ہو گیا۔

"آگیا ناں کوئی کمپلین لے کر۔ اتنا شور۔ کوئی طریقہ ہے یہ شریفوں کا غضب خدا کا۔ حد ہے یعنی کہ۔" پھوپھو کے اعصاب کے لیے مسلسل بجتی بیل عذاب تھی۔

"تو اس میں کیا مسئلہ ہے اس سے پہلے کہ آنے والا بندہ ہمارے گھر کے شور پر بحث کرے آپ اس پر چڑھ دوڑیں کہ بیل کیا اس کے ابا کی ہے۔ جس پر انگلی رکھ کے وہ بھول گیا۔ اور اگر بیل خراب ہو گئی تو وہ پیسے بھرے گا کیا؟" بیا نے تیز تیز لہجے میں اپنی طرف سے بہترین حل پیش کیا۔

"ہاں ہاں بالکل۔ بلکہ آپ اسے شرمسار کیجئے کہ کیا اس میں ذرا سا بھی" ابراو نے چٹکی بجا کر کھائی حد۔ "ملی نہیں کہ وہ اپنے ملک کی کامیابی پر خوش ہو اور اگر پھر بھی بولے تو مجھے بتایئے گا میں نے اس پر غداری کا مقدمہ نہ دائر کر دیا۔ تو میرا نام ابراو کی جگہ" وہ موزوں نام پر اٹک گئی۔

"فراڈ رکھ دینا۔" بیا کو گدگدی ہوئی۔

پھوپھو نے تینوں کو گھور کے دیکھا اور دروازہ کھول دیا۔ سامنے کھڑی صورت نے ماتھے کی تیوریوں اور چہرے کی درشتی کو بڑھایا۔ بر غالب عنصر شدید حیرت تھی۔ اوپر سے نوارد کے سوال نے ہوش اڑا دیے۔

شور مچانے پر شکایت نہیں آئی تھی بلکہ فرمائش آئی تھی۔ سامنے والا وہ پڑوسی لڑکا جو زیادہ تر گھر میں رہتا تھا۔ ان کے کان، گلے اور ہاتھوں کو دیکھتے ہوئے ان سے ایک چوڑی۔ ان کی سونے کی چوڑی مانگ رہا تھا۔ کہ اسے کری کلیجی پھینٹر اپنانا تھا۔

"نہیں اندازہ ہے کہ تم کیا کہ رہے ہو؟"

"جی جی آنٹی!" تیمور کی گھبراہٹ ختم ہونے لگی تھی۔

"دراصل میں نہیں کہہ رہا۔ یعنی کہ مجھے نہیں چاہیے چوڑی۔ نہیں بلکہ بات یہ ہے کہ میں خود کوکنگ کرتا ہوں ناں۔ تو۔ دراصل وہ جو نذیر تھا ہمارا کک پلس کیئر ٹیکر جب سے وہ چلا گیا۔ تب سے تب بائی ہوں کی نذیر کو وہ گنجا سا وہ۔"

"ہاں ہاں جانتی ہوں۔" پھوپھو کا حلق کڑوا ہو گیا۔ بے ضرور نظر آنے والا بد تمیز ملازم۔ "تم اپنی بات کرو۔"

"میری کوئی بات نہیں ہے آنٹی۔ دراصل میچ کی خوشی میں ہم نے اپنے کچھ دوستوں کی دعوت کی تو۔

میں نے سوچا کہ کلیجی کر دے بنا لیتا ہوں۔ تو بنا ہی رہا تھا مگر۔" تیزی سے چلتی زبان کو بریک لگا۔

"تم کلیئر بات کرو گے یا میں دروازہ بند کر دوں۔" وہ جو ایک بار پھر الفاظ مجتمع کرنے کے لیے رکا تھا۔ پھوپھو کی دھاڑ سے گڑبڑا گیا۔ اس نے بڑے بوکھلائے انداز میں کتاب کو کھولا تیزی سے ورق پلٹ کر ترکیب ان کے سامنے کر دی۔

"میں یہ بھی لایا ہوں آنٹی!" اس نے دوسرے ہاتھ میں پکڑا نازک سا زرد لفافہ جو سناروں کی دکان پر ہوتا ہے۔

پسا گرم مسالحہ ایک تولہ
سفید زیرہ ایک تولہ
خشک دھنیا آدھا تولہ
ادرک پسی ہوئی تین تولہ
لہسن ایک پوتھی

شاہی پھوپھو نے زیر لب پڑھا۔ "تم نے کہاں سے لیا یہ بابائے آدم کے زمانے کا حکیمی طرز تحریر۔ تولے ماشے۔۔۔" شاہی پھوپھو کو گویا پتنگے لگ گئے۔

"دکان سے۔" تیمور کا منہ لٹک گیا۔ شاہی پھوپھو نے ایک بار پھر اسے کڑے تیوروں سے دیکھا۔ تیمور گھبرایا۔

"میں دوبارہ کبھی اس بک سے کوئی ریسیپی فالو نہیں کروں گا مگر آج۔ بلکہ ابھی تو پھنس گیا ہوں ناں۔" تیمور کا لہجہ فنی ہو گیا۔

"آپ کے پاس چونکہ بہت سے۔ میرا مطلب ہے مختلف سائز کے زیور ہیں اور آپ کو بھی میری اماں جان کی طرح یقیناً" اندازہ ہو گا کہ کس کا کتنا وزن ہے تو۔

بس آپ مجھے تولے بھر کی چوڑی دے دیں اور کچھ ماشے کی انگوٹھی۔ میں مسالوں کا وزن کرتے ہی واپس کر جاؤں گا۔ آپ۔ آپ یقین کریں۔ میں کوئی چور یا نوسرباز نہیں، میرے ڈیڈ فوج کے اعلا افسر ہیں اور یہ ہمارا اپنا ذاتی گھر ہے۔"

آنٹی کے چہرے کے تاثرات ہر جملے پر رنگ بدل رہے تھے۔ تیمور کا حوصلہ بڑھا۔

"تو پھر آپ مجھے زیور دے رہی ہیں۔" تیمور نے حریص نگاہوں سے ہاتھوں کی چوڑی انگوٹھی کو دیکھا۔

"بالکل نہیں۔" پھوپھو نے کتاب اس کے ہاتھ پر پٹخی اور بازو پیچھے کر لیا کہیں جھپٹ نہ لے۔

تیمور رو دینے والا ہو گیا۔ پہلے بے روزگار ہونے کی بنا پر کماؤ پوت اس پر ذمہ داریاں ڈال دیتے تھے۔ اب اس کے روزگار نے اسے کاما بنا دیا تھا۔

میچ دیکھنے کے لیے ابوذر نے اپنے کچھ دوستوں کو گھر بلا لیا۔

"کوکنگ چینل میں اسسٹنٹ ڈائریکٹر و پروڈیوسر ہے میرا بھائی۔ ہاتھ میں ذائقہ بھی بہت ہے۔" ابوذر

نخرے اپنے دوستوں کو بتا رہا تھا۔ تیمور بھونچکا رہ گیا۔

ادھر دوستوں کے چہرے پر ستائش پھیل گئی۔ اتنا سلیقہ شعار ہر فن مولا بھائی... اللہ سب کو ہی دے۔

"قُل والے ٹفن میں لے آیا ہوں۔ کولڈ ڈرنکس اور رس ملائی فریج میں... سلاد میں بناؤں گا تو بس تکا بوٹی گرم کر دو..." ابوذر نے اپنائیت اور لجاجت سے اس کے دونوں ہاتھ تھام کر کہا تھا۔

اور اسی چکر میں آج وہ تخریبی بد مزاج بونگ سی بوڑھی آنٹی کے دروازے پر امید و بیم کی حالت میں کھڑا تھا۔

آنٹی اسے دروازے پر چھوڑ کر کہاں چلی گئیں۔ ابا نہ کروں۔ پیکٹ کا کوئی مسالا لا کر گھول گھال کر ہانڈی پر رکھ دوں۔

یا کسی آدھ کچی والی ریڑھی سے کچی پکائی لے آؤں۔ کمال ہے یہ آئیڈیا پہلے کیوں نہ آیا اور بھاڑ میں گئی ہائی جین کی فکر میں کیا کروں۔

آنٹی تو نخرے کا کہہ کر گئی تھیں۔ کہیں ڈنڈا یا کوئی اور ہتھیار ہی نہ لے آئیں۔ اسے اچانک خطرے کا احساس ہوا۔

"اے لڑکے!" وحاڑ کی آواز پر وہ لڑکھڑاتے ہوئے پلٹا۔ "ادھر منہ کر کے کیا کھڑے ہو ادھر دیکھو۔"

آنٹی کے ہاتھ میں ایک کٹوری تھی۔ جس میں مسالے تھے۔ "دیگچی میں ڈالو اپنے گوشت کے بھونے اور کلیجی۔ اب اس میں ڈالو چار عدد پیاز چھوٹی کاٹ کر۔ لہسن ادرک کا پیسٹ ڈالو یہ سارے مسالے ڈالو۔ دو عدد بڑے ٹماٹر— آدھا گلاس پانی اور گلنے کے لیے رکھ دو۔ کوئی بیس پچیس منٹ بعد دو ڈوئی کوکنگ آئل ڈال کر بھونو۔ اور خوب بھونو۔ لکڑی کی ڈوئی استعمال کرنا۔ جب گھی اوپر آجائے یعنی الگ سے سرخ سرخ نظر آنے لگے تو اوپر دھنیا پودینا ہری مرچ کاٹ کر گارنش کرنا۔ سمجھے اور..."

"جی۔ جی جی آنٹی! تھینک یو ویری مچ!" تیمور کے تو الفاظ ختم ہو گئے آنٹی احسان مندی کہ کیا کہنے۔ دہرا سا ہو گیا۔ کہیں چرنوں ہی میں نہ بیٹھ جاتا۔

"بس... میں آپ کے لیے بھی لاؤں گا... میں..."

"تم نے میری پوری بات نہیں سنی۔" آنٹی نے اسے گھورا۔ "اور دوبارہ اپنی شکل مت دکھانا ورنہ..."

"نہیں پھوپھو! لانے دیجیے نا۔ ہم بھی تو چکھیں کیا بنا ہے تم لے آنا۔" پیچھے سے ایک شریر آواز گونجی اور پھر بھتیجی سامنے بھی آگئی۔

تیمور کے ہاتھ سے پیالی گرتے گرتے بچی۔ بلکہ وہ خود بھی گرنے سے بچا۔ نیلے لباس میں سینے پر ہاتھ لپیٹ کر بھرپور مسکراہٹ سے اسے دیکھتی۔ تیمور نے پلکیں جھپکیں۔ شاید وہم ہو یا شکل ملتی ہو یا... مگر وہ وہی تھی۔

"ہم بھی تو دیکھیں تیمور کے ہاتھ میں ذائقہ کتنا ہے۔ کیوں تیمور!"

"تم جانتی ہو اسے؟" پھوپھو کو بھتیجی کی بے تکلفی قطعاً نہ بھائی۔ عورتیں بھی تو اکیلی رہتی ہیں نا۔

"صرف جاننا۔" اس نے گردن کو ذرا سا جھٹکا دے کر بال شانے پر چھوڑے۔ "میں تو ان کے بغیر ایک قدم نہیں چل سکتی۔ کیوں تیمور؟" اسے تیمور کی حالت بے حد مزا دے رہی تھی۔

"جی جی جی... میں جاؤں... میں جاتا ہوں۔" وہ چار قدموں کا فاصلہ طے کر کے کیسے گھر تک پہنچا۔ جانے دیں۔

☼ ☼ ☼

عاشر کو گھر پہنچ جانے کی جتنی جلدی تھی۔ اس روز اتنی ہی دیر ہو گئی۔ گھر پہنچا تو تیجہ آخری مراحل میں تھا۔ ابوذر کے دوستوں نے رونق لگا رکھی تھی۔ اشتہا انگیز خوشبو بھی ان ہی کے گھر سے اٹھ رہی تھی۔

یعنی ایک اچھا دن... آج دل بھی سیر ہو گیا تھا اور اب بھی دسترخوان لگا ہوا تھا۔ دوست رخصت ہو گئے تب عاشر صوفے پر لیٹا۔ ایک انگڑائی لی۔

"بہت مشکل کچ تھا۔ آخر تک پھنسا ہوا۔" ابوذر بکھری چیزیں سمیٹ رہا تھا۔ تیمور منہ پھلا کر بیٹھا تھا،

اور بہت چپ تھا۔ ابوذر نے جان لیا۔ اتنے سارے کام کرنے کے بعد وہ تھک گیا تھا اور اب کسی بھی چیز کو ہاتھ نہ لگائے گا۔

"آخر تک یقین نہیں تھا کہ پاکستان جیت جائے گا۔" ابوذر ہی بول رہا تھا۔ عاشر صاحب کے چہرے پر تو مسکان تھی۔ کسی اور ہی دنیا میں تھے۔ تیمور اور ابوذر کا دھیان نہ پڑا۔

"اور مجھے یقین تھا کہ جیت ہماری ہوگی۔" عاشر کا لہجہ کھنچے ہوئے بزرگ سا قطعی تھا۔

"ایسے کیسے یقین... معجزہ ہی ہوا ہے جو وکٹیں مل گئیں۔" ابوذر متعجب تھا۔

"اس یقین کا تعلق وکٹوں سے نہیں ہے... دراصل بعض دن ایسے بھی طلوع ہوتے ہیں جب ہر کام اچھا ہوتا ہے۔"

عاشر کے انداز میں سرشاری تھی۔ تیمور نے برا منہ بنا کر عاشر کو دیکھا۔

"یقین کرو اگر آج کے دن تم سامنے روڈ پر کھدائی شروع کردیتے تو تیل کے ذخائر بھی نکل آتے۔"

"او میرے بھائی تو ہے کس جہان میں۔ کسی نے کچھ کھلا پلا تو نہیں دیا؟"

ابوذر نے فکرمندی سے تیمور کو دیکھا جو سکتے کی حالت میں تھا کب سے، ادھر عاشر کے لبوں سے مسکراہٹ اور گنگناہٹ جدا ہی نہ ہو رہی تھی۔

"اوہو... کیا ہے آج؟" ابوذر چلایا۔

"حال دل کہہ کر آیا ہے آپ کا بھائی۔"

"تو کیا سر پر لگی جو اول جلول باتیں کر رہا ہے۔"

ابوذر نے تیزی سے آگے بڑھ کر عاشر کا سر ٹٹولنا شروع کردیا۔

"ابے ہٹ... نہ صرف حال دل کہا بلکہ یہ بھی پتا لگ گیا کہ وہ کون ہے۔ ہر روز ٹی وی پر آتی ہے بس میرا دھیان ہی نہ گیا۔ ہائے اتنی کمزور تھی نزدیک کی نظر۔"

"ٹی وی کی لڑکی۔" تیمور چونکا۔

"آخر کون سی لڑکی؟" جسے تیمور نہیں جانتا۔

عاشر نے ریموٹ پکڑ لیا۔ تیزی سے چینل بدلنے لگا۔ یکدم ٹھٹکا اور چلایا۔

ابوذر اور تیمور بھی ٹی وی آنکھیں پھاڑ کر دیکھنے لگے۔

"کوکنگ آئل کا اشتہار تھا۔ میری چوائس صرف..."

"یہ... یہ تو وہی ہے۔" عاشر سے پہلے ابوذر بول اٹھا۔

"ہاں میرے بھائی یہی ہے تمہاری ہونے والی بھابھی۔" عاشر کے منہ میں لڈو گھل گئے۔

"یہ..." تیمور کے حلق سے عجیب سی آواز نکلی۔

"یہ تو میری شیفت ہیں۔ آمنہ امتیاز۔" وہ بے یقینی سے دونوں کے اثبات میں ہلتے سر دیکھ رہا تھا۔

"تمہاری شیفت۔" دونوں چلائے ہم آواز ہو کر۔

"پھر تو تمہیں اس کا ساراڈیٹا معلوم ہوگا۔"

تیمور کا منہ دوبارہ نروٹھے بچے کا سا ہو گیا۔ سر اثبات میں ہلایا۔

"کہاں ہے اس کا گھر؟" عاشر اچھل کر تیمور کے صوفے پر شانے پر بازو رکھ کر بیٹھ گیا۔ بس بھائی کا منہ چومنے ہی والا تھا۔

"اس کا گھر... یہ ہمارے عین سامنے والا..." (کتنی شرمندگی ہوئی تھی کہ سالے کا نہ پتہ چلا گیا)۔

"کیا؟" عاشر کو جیسے کسی نے اسٹاپ کہہ دیا۔

"ہمارے عین سامنے والا۔" اس نے تیمور کے الفاظ دہرائے۔ پھر اٹھ کر بھنگڑا ڈالنا شروع کر دیا۔ ساتھ بڑا بھائی بھی بن گیا۔

چٹاچٹ چھوٹے بھائی کے گال بھی چوم لیے۔

"یعنی کے عین سامنے والا۔"

☼ ☼ ☼

"جیسے تمہارے خیالات تھے تمہاری شادی تو لوہے کا چنا ثابت ہونی تھی اور تم اتنے مزے سے بتا رہی ہو۔" پیا کی حیرت جاتی نہ تھی۔

"نہیں مجھے خلوص کی مہک آئی۔" آئرہ مسکرائی۔

"ہم لوگوں کو سونگھ کر چیک کرتی ہو۔" ایرادو کا منہ کھلا کا کھلا رہ گیا۔

"بکو مت۔" آئرہ جھنجلائی۔ جبکہ پھوپھو اور بیا کھلکھلا گئیں۔

"اس نے سیدھے سیدھے شادی کا کہہ دیا۔ میں نے کہا میں تو آپ کا نام تک نہیں جانتی اور آپ نے کیسے منہ کھول کر کہہ دیا۔"

"وہ بولا زیرلب کہتا تو بھی آپ کو شکوہ ہونا صاف بات کیوں نہیں کرنا۔"

میں نے کہا۔ "مجھے تو آپ کی خود اعتمادی پر حیرت ہے۔"

اس نے کہا اور مجھے آپ کی بے پہلو تہی پر۔ آخر آپ کو میری آنکھوں میں جلتی محبت کی جوت اور سچائی کا علم نظر کیوں نہیں آتا۔

اور اس کے اس جملے کے بعد میری بولتی بند ہو گئی۔ اس کے پاس ہر اعتراض کا جواب تھا۔ مجھے اندازہ ہو گیا میں اس سے باتوں میں نہیں جیت سکتی۔ اس کی پوری شخصیت تو کسی بھی لڑکی کا خواب ہو سکتی ہے۔ بحریات کرنے کا حلیف۔۔۔۔ سب سے بڑھ کر وہ چرب زبان تو بے مگر لفظوں کا مہذب استعمال جانتا ہے۔ اور زبان پر اعتبار نہ بھی کرو تو۔۔۔ اس کی آنکھیں جھوٹ نہیں بولتی تھیں۔"

آئرہ کا انداز بے بس ہو گیا۔ پھوپھو سر پکڑ کر بیٹھی تھیں۔

"یہ سب بیکار کی باتیں ہیں۔ دراصل جس طرح ہر بار وہ تمہارا سامان اٹھا اٹھا کر پہنچا رہا تھا۔ تم نے سوچا اس سے بڑھ کر بہترین لوڈر کہاں ملے گا۔" بیا نے قصہ کوتاہ کیا۔

"بیا کی بچی۔۔۔!" آئرہ نے اس کے کندھے پر چپت لگائی۔ "اور اب تو یہ پتا لگ گیا کہ وہ ہمارے ڈرائیور کا بڑا بھائی ہے۔"

پھوپھو کے چہرے پر تسلی پھیلی۔ "وہی جو مسالے مانگنے آیا تھا۔ اور یہ بات تو خیر سب ہی کہیں گے دعوے سے۔۔۔۔ کہ اتنے عرصے سے یہاں ہمارے سامنے رہ رہے ہیں۔ نا تو ہمیں کسی قسم کی شکایت ہوئی اور نہ ہی کسی اور سے کوئی اعتراض سنا۔ ورنہ تنہا فیملیز سے دور رہتے لڑکوں کے بارے میں طرح طرح کی باتیں سننے ہی ہیں۔"

پھوپھو کی تعریف ایک ووٹ بن گئی۔

ایرادو نے تبلی بجانی شروع کر دی۔ "راجہ کی آئے گی بارات رنگیلی ہو گی رات۔"

"بھابھی بھی بہت خوش ہیں۔ اور بھائی جان فوجی بیک گراؤنڈ سے مطمئن۔"

شاہی پھوپھو نے مزید کہا۔ آئرہ مسکرانے لگی۔ تب ہی بیا نے ٹھنڈی سانس بھری۔

ایرادو نے گانا روک دیا۔ "آپ کو کیا ہو گیا؟"

"ہائے جو شادی سے بھاگی تھی۔ اس کے سہرے کے پھول کھل گئے۔ اور میں جو زندگی میں صرف شادی ہی کرنا چاہتی تھی۔ حسرت۔"

"بس جی اپنی اپنی قسمت ہے جو بہت دور تھا وہ سامنے والا نکلا اور جو سامنے ہے۔" بیا بیچ بیچ صدمے میں تھی۔ یہ دھیان ہی نہ تھا۔ کیا بولنے لگی ہے۔

"وہ کتنی دور۔۔۔؟"

"سامنے کون سامنے ہے۔" آئرہ نے پوچھا۔

"وہی باڈی بلڈر۔ جو ہو بہو میرے آئیڈیل لڑکے سے مشابہ ہے بلکہ آئیڈیل ہی ہے۔"

"آئیڈیل لڑکا سامنے رہتا ہے۔ اور تمہیں کیسے پتا۔ تم اس سے کب ملیں؟" پھوپھو کا بھاری بجرم احساس ذمہ داری بیدار ہوا۔

"اتفاقاً۔" بیا نے لاپروائی سے بچکی لی۔

"بیا کی بچی صاف بولو۔ تمہاری ماں نے میری نگرانی میں تمہیں بھیجا ہے۔ وہ تو مجھ سے پوچھے بغیر بھی میرا ناطقہ بند رکھتی ہیں اور تم لے کر آ گئیں نئی کہانی۔ شروع ہو جاؤ۔" پھوپھو نے تحکمانہ انداز اختیار کیا۔ ساتھ ہی

چٹکی لینے کی کوشش کی۔(ناکام)

''آئے ہائے۔'' ہیا تڑپ کر اچھلی اور پھر بولنا شروع ہو گئی۔

☼ ☼ ☼

''بوتیک سے بونیک ڈریسز آئے تھے آمنہ کے لیے۔ یاد ہے ناں کیسے کیسے شاندار پرنٹ تھے کہ منہ میں پانی آ گیا تھا۔ وہ سفید اور گلابی اور سیاہ مجھے کس قدر پسند آیا۔ اور ہلکا نیلا اور گہرا نیلا بلاک پرنٹ ہائے۔ کوئی اچھے دل والی بہن ہوتی تو خود ہی سے ایک ایک دے دیتی۔ مگر اس نے مانگنے سے بھی نہیں دیے۔

پھر میں نے انتقام لینے کا سوچا اور سارے کپڑے بدل بدل کر پہن کر گھر میں خوب گھومی مگر وہ جو پسندیدہ ترین تھا۔ اسے پہن کر شیری سے ملنے چلی گئی۔ یہ شوٹنگ پر تھی۔ میں اپنے خیالوں میں شاداں فرحاں آئی۔ خوب شو مار کے آئی تھی۔ اب جب آخری سیڑھی پر قدم رکھا تو کیا دیکھتی ہوں سامنے سے آمنہ چلی آ رہی ہے۔ بیل بجائی کہ جلدی سے اندر گھس جاؤں تو پھوپھو نے دروازہ نہ کھولا۔

تب میں نے آؤ دیکھا نہ تاؤ سامنے والے گھر کا دروازہ بجا دیا۔ دروازہ پلک جھپکتے کھلا۔ اور میں کچھ بھی دیکھے بغیر اندر گھس گئی۔

''پلیز آپ مجھے تھوڑی دیر کے لیے اندر رہنے دیجیے۔ پلیز میں بس پندرہ منٹ بعد چلی جاؤں گی۔''

''لیکن آپ ہیں کون؟ کہاں سے آئی ہیں اور کہاں چلی جائیں گی؟''

''میں ہیا ہوں... شیری کے گھر سے آئی ہوں اور اپنے گھر چلی جاؤں گی مگر پلیز۔ اس وقت مجھے پناہ کی اشد ضرورت ہے ورنہ آج میری جان چلی جائے گی... اگر آپ نے میری ہیلپ نہ کی تو آج... اف۔'' میں نے خوف سے آنکھیں بند کر لیں۔

''میں کیسے یقین کر لوں کہ آپ واقعی خوف زدہ ہیں۔ ہو سکتا ہے آپ ڈھونگ رچا کر شریف لوگوں کو لوٹتی ہوں یا ان پر الزام لگا کر بلیک میل کرنا چاہتی ہوں۔''

''ارے! میں آپ کو ایسی ویسی نظر آتی ہوں۔ یہ سامنے والے گھر میں تو رہتی ہوں شاہی پھوپھو کے گھر... آپ کی پڑوسن ہوں اور میرے برے وقت میں آپ مجھے ایسے کہہ رہے ہیں۔''

''وہ فوراً'' میری انتہائی مجبوری سمجھ گیا۔ سر ہلانے لگا' پھر تیزی سے دروازہ کھولنے لگا تب میں دروازے کے آگے دیوار بن گئی۔

''آپ مجھے گھر سے نکال رہے ہیں۔'' میری آنکھوں میں آنسو بھی آ گئے تھے شاید۔

''نہیں نہیں...'' وہ معصوم جھینپ ہوا۔ تب مجھے یاد آیا امی کہتی تھیں۔ روتے ہوئے میں بڑی مظلوم و معصوم لگتی ہوں۔ خاص طور پر میری بھری ہوئی آنکھیں تو دل کو... تو شاید اس پر بھی ایسا ہی اثر ہوا ہو۔''

''جو آنٹی کہتی ہیں اسے ماما کہتے ہیں ہیا!'' آمنہ نے بمشکل خود پر ضبط کیا۔

''ہاں ہاں... لیکن میری بھری بھری آنکھوں میں اک اثر تو ہے ناں۔'' ساتھ ہی اس نے پلکیں تیز تیز جھپک کر یقین دلانے کی سعی کی۔

''اچھا اوکے... اب آگے بتائیں پھر کیا ہوا۔''

''وہ بولا گھر سے نہیں نکال رہا صرف دیکھ رہا ہوں کہ ایسا کون مائی کا لال ہے جو ہمارے اپارٹمنٹ کے اندر تک گھس کر لڑکی کو اس طرح ہراساں کر رہا ہے۔ میں اس کا جبڑا توڑ کے اس کے ہاتھ میں سجادوں گا اس کی جرات کہ۔'' اس نے مکا تان لیا۔ گردن کی رگیں تک پھولنے لگیں۔

''نن۔ نا نہیں۔ وہ مائی کا لال نہیں لالی ہے۔ میرا مطلب ہے وہ ایک لڑکی ہے۔ میرا مطلب ہے۔''

''آپ ایک لڑکی سے خوف زدہ ہیں اتنی بری طرح... مگر کیوں؟''

اب میں اسے کیا بتاتی کہ جس کی بہن ٹی وی کی مشہور و معروف ہستی ہو تو بڑے بڑے ڈیزائنر

محض چلبلی کے لیے اپنے سوٹ پہننے کو دے جاتے ہوں اور مجھ جیسی بسن اس کے کپڑے ہمیشہ اس کے پہننے سے پہلے سارے شہر میں پہن کر گھوم لے۔ وہ رنگے ہاتھوں پکڑے جانے پر جتنی بھی خوف زدہ ہو کم ہے شبات کرتے ہوئے ہبا گمن تھی۔ اگر جو رک کر آمنہ کا چہرہ ایک بار دیکھ لیتی بس ایک بار۔

"وہ لڑکی نہیں ہے وہ۔"

"اچھا آپ تسلی سے یہاں بیٹھیں۔ میں آپ کے لیے پانی لاتا ہوں۔" تب مجھے احساس ہوا کہ میں کتنی پیاسی تھی۔ اور دل کیسا بے قابو تھا۔ آواز لگا کر کہا۔

"اس میں گلوکوز بھی ملا دیں۔" وہ اٹھ جا کر نکال لایا۔

"اچھا!" آمنہ نے بہت بڑے کی حد تک کھلی آنکھوں کو ور کرا۔ "پھر گھر کیسے پہنچیں۔"

"پھوپھو کو کال کر کے صورت حال بتا کر۔ وہ بہانے سے تمہیں اپنے بیڈ روم میں لے گئیں۔ میں دبے قدموں اپنے کمرے میں گھس گئی۔ کپڑے بھی پریس کر کے ٹھکانے پہنچائے۔"

"پھوپھو آپ بھی؟" آمنہ کے دو حرفی سوال میں کیا کیا نہ تھا۔ مگر دھیان کسے تھا۔

"پھر دوبارہ اس بازی بلڈر سے ملاقات ہوئی؟"

"روبرو تو نہیں ہوئی مگر ایک لحاظ سے ہر روز ہی ہوتی۔"

"یہ کیسی بات ہے؟"

"دراصل وہ ہو بہو میرے خوابوں کے شہزادے سے مشابہ ہے۔ سو کبھی رھیان کے پردے پر جھلک ہو ہی جاتی ہے۔" ہبا نے شاعرانہ مثال دی۔

"رھیان کی بچی۔ اپنی ماں کی خبر ہے۔ وہ یہ الزام بھی مجھ پر ڈال دیں گی۔" پھوپھو نے اس کا شانہ دبوچ کر اسے ہوش دلانے کے لیے آگے پیچھے ہلانے کی کوشش کی۔ مگر ہبا کو ہلانا کوئی آسان کام تھا۔

"یہ میرے کپڑوں کا کیا قصہ ہے۔ تم لوگ میری غیر موجودگی میں میرے کپڑے جو کہ مجھے چلبلی کے لیے دے جاتے تھے۔ انہیں پہن کر گھومتی ہو۔ گھر سے باہر۔ ہائے۔"

بازی بلڈر کے خیالوں کے جھولے میں جھولتی ہبا جیسے زمین پر گری۔ تبھی ہوش میں آئی۔ کیا کیا کہہ گئی۔ اس نے اتنی خفگی سے ابرار کو دیکھا۔ جو غیر محسوس طریقے سے اس کے کمرے میں جا رہی تھی پھر پھوپھو کے کئی کپڑے نور بھی پہن چکی تھیں۔ اور ربابہ کے لیے اپنے کمرے کے دروازے تک بھی پہنچ چکی تھیں۔

"مجھے ہمیشہ لگتا تھا کپڑوں میں ایک نیا پن نہیں ہے مگر۔۔۔ ابرار۔۔۔ میں تم لوگوں کو آج نہیں چھوڑوں گی۔"

آمنہ حلق کے بل چلانا شروع ہو گئی تھی۔

☼ ☼ ☼

سینٹرل ٹیبل پر مٹھائی کا ٹوکرا رکھا تھا۔ آستین چڑھا کر عین سامنے ابوذر بیٹھا تھا اور مٹھائی کھا رہا تھا مگر انداز کچھ یوں تھا جیسے جبراً کھلائی جا رہی ہو کہ تم کو ہی ختم کرنا ہے۔ تیمور اور عاشر اس کے عین سامنے صوفے پر بیٹھے نجانے کتنی ہی دیر سے اس کی جبری مشقت دیکھ رہے تھے۔ جس کی حالت کی وجہ سمجھ سے بالاتر تھی۔ پوچھ پوچھ کر تھک بھی گئے۔ منہ سے کچھ نہ پھوٹا۔ اور جب دونوں چپ ہو گئے تو۔ بولنا شروع ہو گیا۔

"تم لوگوں کا دل نہیں چاہتا کہ تم لوگ بھی اسی طرح میری بات طے ہو جانے کی خوشی میں مٹھائی لاتے؟"

دونوں بھائیوں نے ایک دوسرے کو دیکھا۔ اور منہ سے نا خ کی آواز ایک ساتھ نکالتے ہوئے زور زور سے گردن بھی نفی میں ہلائی۔

"کم از کم اس طریقے سے تو نہ کھاتے۔ جیسے یہ احسان جتا کر کھا رہا ہے۔" عاشر نے دانت بھینچ کر کہا۔

"تم لوگوں کو میرے سہرے کے پھول کھلنے کا کوئی ارمان نہیں؟" دونوں نے نتھنے پھلا کر ایک دوسرے کو دیکھا۔ اور زور زور سے گردن نفی میں ہلائی۔

"اب سہرے کا رواج ہی نہ رہا۔ وی آر ویری پریکٹیکل۔"

ابوذر غم سے دہرا ہو گیا۔ ایک ہچکی لی اور پھر کھانسنے

کھانستے دہرا ہونے لگا۔ تیمور نے پانی کا گلاس زوردار آواز سے شیشے کی میز پر رکھا۔ کچھ چھلک بھی گیا۔ ہچکی غم کی انتہا پر نہیں نکلی تھی۔ شاہت ہنسی نگلنے کی کوشش میں نکلی تھی۔

"اگر اس بلاوجہ کی اداکاری اور بسیار خوری سے ہٹ کر صاف بات کرلو تو شاید معاملہ حل ہو جائے۔" عاشر بولا۔

"ہم دونوں نے ایک اسکول میں پڑھا۔ کالج بھی ایک۔ پھر یونیورسٹی بھی۔ ہر جگہ ساتھ ساتھ رہے۔ ایک دوسرے کے کپڑے جوتے بدل بدل کر پہنے۔"

"ایکسکیوزمی۔" عاشر نے انگلی اٹھائی۔ "صرف تم نے پہنے میرے کپڑے جوتے۔"

"ہاں ہاں میں نے۔" ابوذر نے اختلاف سے گریز کیا۔

"تو کیا تمہارا دل نہیں چاہتا کہ زندگی کے اس نئے سفر کے آغاز میں بھی میں تمہارے ہم قدم رہوں؟ ہم دونوں زندگی کے نئے سفر کا آغاز بھی اکٹھے کریں؟"

"مگر شادی کے لیے تو ایک لڑکی کا ہونا ضروری ہوتا ہے۔" عاشر نے کر کی بات کہی۔

"ہاں تو ہے ناں۔ یہ بیا!" آخر کار منہ سے نکل ہی گیا۔

"یہ بیا کون ہے؟" دونوں بھائی ایک بار پھر ہونق ہو کر ایک دوسرے کو دیکھنے لگے۔

"تم لوگوں کو بیا کا نہیں پتا۔" ابوذر رو دینے کو ہو گیا۔

دونوں نفی میں سر ہلانے لگے پھر یک دم تیمور چلایا۔

"بیا۔"

"وہ میڈم آرزو کی کزن۔" (تیمور کے منہ پر ابھی بھابھی نہیں چڑھا تھا)

"تو نے اسے غور سے دیکھا ہے ناں؟" عاشر کو شک ہوا۔ ابوذر نے سر ہلا دیا۔

"ہاں ٹھیک ہے۔ وہ چھپنے کی چیز بھی کب ہے۔ ایک بار نظر آجائے تو پھر کتنی ہی دیر تک نظر آتی ہی رہتی ہے۔"

"اور فقط ایک ہی ملاقات میں یہ اتنا متاثر ہو گیا کہ ایسی تباہی مچانے پر آگیا۔ افسوس صد افسوس۔" تیمور نے دکھ سے مٹھائی کے ٹوکرے کو دیکھا۔

"ایک ملاقات کب۔ تیسری ملاقات۔"

"تیسری۔ کیسے بھلا۔ ایک تو وہ جب سب لوگوں کے ساتھ حیدر آباد گئی تب۔ اور دوسری بات طے ہونے والے دن۔"

"نہیں اس سے بھی پہلے۔ جب وہ یہاں گھر آئی تھی۔"

"گھر آئی تھی۔ کب آئی تھی۔؟" دونوں چونکے۔

ابوذر شروع ہو گیا۔ وہ اس دن کا واقعہ جزئیات کے ساتھ بتا رہا تھا جب بیا نے آرزو کے کپڑے پہن رکھے تھے اور وہ شادی کی درخواست لے کر آئی تھی۔

"بس اس کی وہ ہراساں آنکھیں۔ بار بار گھڑی دیکھنا پھر اٹھ کر کھڑکی سے جھانکنا۔ اضطراب سے ہاتھ مسلنا۔ جیسے میرے دل کے سارے دروازے کھلتے چلے گئے۔"

"مگر وہ کچھ۔ (عاشر نے موٹی کہنے سے گریز کیا) تھوڑی بھاری نہیں ہے۔"

"تھوڑی نہیں وہ کافی بھاری ہے مگر چلے گی۔ بالکل چلے گی مجھے ایسی ہی لڑکی درکار تھی۔" وہ سر دھن رہا تھا۔

"شادی تو ہم ایک ہی دن کرلیں گے۔ مگر دونوں دلہنوں میں اتنا فرق۔ ایک اتنی نازک اور ایک اتنی وزنی۔" عاشر ہچکچایا۔

"کچھ فرق نہیں پڑتا۔" ابوذر کی ساری بے زاری اڑ چھو تھی۔ "نازک عورت سراسر درد سر ہے۔" عاشر نے اسے گھور کر دیکھا۔ "اور وزنی عورت درد کندھا۔"

اس بار فلک شگاف قہقہہ تیمور نے لگایا۔ پھر تینوں ہنس پڑے۔

☆ ☆ ☆

گھر بھر میں شادیانے بجنے لگے۔ عاشر کا بس چلتا تو

بس اگلے جمعے ہی کو تقریب سعید کا دن رکھ لیتا۔ مگر اماں جان نے بڑی بہو کی ڈلیوری سے مشروط کر دیا۔

عاشر شادی تک کے پیریڈ کو خوب انجوائے کرنا چاہتا تھا۔ مگر آمنہ نے منع کر دیا وہ کسی بھی طرح نظروں میں آکر لوگوں کو باتیں بنانے کا موقع نہیں دینا چاہتی تھی۔

"مگر ہم گھر پر مل سکتے ہیں۔" عاشر نے فرمائش جڑ دی۔

"تو ہم شادی کے بعد مل تو لیں گے نا۔" آمنہ نے بات ہی ختم کر دی۔

"میں چاہتا ہوں ہمارے درمیان انڈر اسٹینڈنگ ڈیولپ ہو۔ ہم ایک دوسرے سے واقفیت حاصل کر سکیں۔ ایک دوسرے کی پسند ناپسند کے بارے میں۔"

"اور اگر ہم اس میں کامیاب نہ ہو سکے 'یعنی مزاجا" بالکل الٹ نکلے تو کیا آپ رشتہ ختم کر لیں گے۔"

"ارے اللہ نہ کرے 'کیسی بات کرتی ہو۔"

عاشر اپنا سا منہ لے کر رہ گیا۔ دوسری جانب بیا کوئی شوبز کی بندی تو نہیں تھی کہ اس کے تحفظات ہوتے اور پھر ابوذر تو خوابوں کے شہزادے سے مشابہ تھا اور اب تو ہانو دل کی سلطنت کا آقا بن چکا تھا اور وہ جیسے کنیز۔ مگر جتنی نزاکت لفظ کنیز میں ہے 'وہ اس کنیز میں کہاں۔

کہاں چار حرفی لفظ کنیز۔۔۔ اور کہاں چار جانب پھیلی بیا۔

وہ شادی تک کم از کم بیس کلو وزن کم کر لینا چاہتی تھی اور اس سے پہلے ابوذر کے سامنے آنا گوارا نہیں تھا۔

وہ سرخ جوڑے میں ایک ہی بار چلبلی نار بن کر سامنا چاہتی تھی۔

اور ان خود ساختہ پیش بندیوں نے عاشر اور ابوذر کے ارمانوں کا جنازہ نکال دیا تھا۔

ڈیڈی کی جانب سے اعتراضات کا ڈر بھی جاتا رہا۔ وہ ان رشتوں سے بے پناہ خوش تھے۔ ہر ایک کو بتاتے 'کوکنگ شو والی لڑکی ان کی بہو ہے۔ اسے شاپنگ پر بھی لے کر گئے۔ عاشر نے ذرا یونگ کی پیش کش کی تو چالی چھپنا لی۔

"ہم دونوں کے بیچ تمہاری کوئی جگہ نہیں۔"

"انکل! مجھے بھی نہیں لے جائیں گے۔" بیا بولی۔

"تمہیں لے جاتا ہوں۔" ابوذر کے دل کی کلی کھلی۔

"کل شام کا ڈنر تمہارے ساتھ ہوگا۔" ڈیڈ نے بیا کا دل توڑنا بھی مناسب نہ سمجھا۔

"کیا میرے لیے وقت نکالیں گے۔" ابوذر نے بھی لگے ہاتھوں پوچھ لیا۔

"بالکل نکالیں گے۔ لیکن اگر تمہیں زیادہ جلدی ہے تو عاشر 'ابوذر 'بہن کو لے کر جاؤ اور جو چاہیے دلوا دینا۔"

گاڑی یہ جا وہ جا۔

عاشر اب ٹھنڈی چائے کے ساتھ پاپے کھاتے ہوئے وہی ازمائی کوکنگ نامی کا شو مکرر رات گئے تک دیکھتا۔ جہاں آمنہ اشتیاق کے ہاتھ کے پکوان۔۔۔

"اف اللہ۔"

وہ شیشے کے دیدہ زیب باؤل میں دودھ ولاری سجاتی۔ بریانی کی تہیں جماتی اور اٹھاتی۔

جب دال کو بگھار لگاتی 'تب عاشر ایسے سانس کھینچتا جیسے خوشبو اندر اتر رہی ہو۔

پزا میں کٹ لگاتی اور کیک پر چاکلیٹ کون سے ڈیزائن بناتی۔

تب عاشر کو آمنہ پر ٹوٹ کر پیار آتا اور اس کی مہارت پر اور زیادہ۔

عنقریب یہ ذائقہ دار پکوان پکانے والی سمیت اس کی دسترس میں ہوں گے۔

وہ ٹھنڈا اکڑا نان پورا زور لگا کر چباتا۔

"پھر زندگی میں کوئی غم نہ ہوگا۔"

"میری بھی بس۔۔۔" ابوذر بانگ لگاتا۔ "بیا نے بتایا ہے مجھے اس کی امی نے سب کام سکھائے ہیں اسے۔"

"اس روز آمنہ بھابھی نے کتنے مزے کی پیسٹریاں بھیجی تھیں۔"

"ہاں ناں۔"

دونوں پاس بیٹھے تیمور کو جیسے بھول ہی جاتے اور وہ دانت سختی سے جمائے لب بھینچے دونوں کی گفتگو سن کر اس دیوار کو ڈھونڈنا جس میں سر مار سکے۔

اس گھر پر اچھا وقت آنے والا تھا یا۔۔۔ وہ آگے سوچ نہ پایا۔

☼ ☼ ☼

پہلے شادی 'پھر ہنی مون کے بعد دعوتیں وغیرہ۔۔۔ خوب لمبی چھٹیاں اختتام کو پہنچیں۔ اپنی اپنی ڈیوٹیز پر جانے سے قبل ڈیڈ نے کھیر پکوائی کی رسم کا اعلان کر کے سب خاندان کی ایک گرینڈ دعوت رکھ لی۔

اماں جان کا اصرار روایتی بناؤ سنگھار کا تھا۔ جبکہ ڈیڈ کی ساری دلچسپی پکوانوں پر تھی۔

آنزہ سمیت تمام اہل خانہ بھی حیران رہ گئے کہ نام کھیر پکوانے کا تھا اور ڈیڈ کا بس نہ چلتا تھا کہ کیا کیا نہ پکوالیں۔

زعفرانی مغزیات کی کھیر۔ بادامی قورمہ۔ مغزیات والا بکرے کے گوشت کا پلاؤ۔ لب شیریں۔۔۔ مسالا چکن۔۔۔ پائن ایپل فریش جوس۔

دعوت شان دار رہی۔ آنزہ کی اپنی ذاتی ہیلپر زبھی کچن میں ساتھ ساتھ موجود تھیں اور سب ہی پسینے سے زبتر۔

دعوت میں آئے سارے لوگوں کا اشتیاق دیدنی تھا۔ زندگی میں پہلی بار کسی پروفیشنل کوکنگ ایکسپرٹ کے ہاتھ کا کھانا کھانا تھا۔

آنزہ نڈھال ہوگئی۔ اماں جان کو تو غش آگیا۔

ساری تقریب میں ذائقہ کی واہ واہ ہوتی رہی۔ خوب سلامی ملی۔ عاشر سینہ پھلائے گھومتا رہا۔ نذیر بچن سمیت کربلکان ہو رہا تھا۔

اور آنزہ کی حالت سب سے تباہ تھی۔ اس کی کمر تختہ تھی۔ آنکھیں نیند سے پھٹ جانے کو تھیں۔ جسم ٹوٹ رہا تھا۔ اف ایسا پہلے کبھی ہوا تھا جو آج۔۔۔

☼ ☼ ☼

"کیسی خوش گوار صبح آج فلیٹ میں اتری تھی۔" عاشر نے گیلری میں آکر انگڑائیوں اور جمائیوں کے درمیان سوچا۔ کچن سے اٹھتی چائے کی مہک۔۔۔ اور دھیرے دھیرے گفتگو کرتی آنزہ۔ عاشر پراٹھا آملیٹ کے مزے دار ناشتے کا منتظر تھا۔ مگر چائے کے ساتھ ابلا انڈا' سینکے توس اور جیم' وہ بھی یوں کہ آنزہ سلائس پر جیم لگا لگا کر بڑھاتی جاتی تھی۔

انسان اس سے زیادہ کی خواہش کرے تو ناشکرا نہ کہلائے۔ عاشر نے کانوں کو ہاتھ لگا کر توبہ کی۔ الحمدللہ میرے مالک۔

شادی کی چھٹیوں کے بعد آج دونوں ہی کو آفس جانا تھا۔ عاشر کے نکلتے نکلتے شو میں آنزہ کی ہیلپر کی حیثیت سے کام کرنے والی ماسیوں کا بھی فون آگیا۔ آنزہ نے ان سے گفتگو کو جاری رکھتے ہوئے عاشر کو خدا حافظ کہا۔ عاشر کے ٹیک کیئر کہنے پر اسے بھی یہی ہدایت کچھ اس ادا سے کی کہ عاشر نے سوچا۔ نوکری کو لات مار کے باقی زندگی زلف جاناں کے سائے میں گزارنا کیسا آئیڈیا ہے؟ مگر دروازہ بند ہو چکا تھا۔

اتنے دنوں کی غیر حاضری نے کام کا بہت سا بوجھ لاد دیا تھا مگر عاشر نے صبح کے پہلے ہی گھنٹے میں کتنے ہی فون کر ڈالے۔

"یہی کہ کیا کر رہی ہو۔ اچھا سا ناشتا کر لینا۔ بور تو نہیں ہو رہیں۔"

"نہیں سو رہی ہوں عاشر۔۔۔ پلیز اب کال نہ کرنا میں فون بند کر رہی ہوں۔ اچھی نیند لوں گی تو فریش نظر آؤں گی ناں۔ اتنے دنوں کی ایبسنٹ کے بعد لوگ ویسے ہی ہر چیز کو نوٹ کریں گے میں نہیں چاہتی کہ۔۔۔"

"اوکے۔۔۔ اوکے۔۔۔ تم سو جاؤ' مگر یہ بتا دو پہن کیا رہی ہو؟"

"ابھی کچھ نہیں پتا' دیکھ لینا نا۔" اس کی بڑی سی جمائی عاشر کے کانوں میں گونجی تو اسے اس جمائی پر بھی پیار آگیا۔

دل میں اس کا پورا ارادہ تھا کہ وہ آفس کا ٹی وی آن کرکے آنزہ کو دیکھے گا ضرور' مگر ایسا میٹنگز میں پھنسا کہ ہر

شے بھول گیا۔

شام آفس سے واپسی پر سیڑھیوں ہی سے تالی کی بات ذہن میں کرتا جب گنگنارہا تھا تو اس بات سے بے خبر تھا کہ کئی لوگوں نے اسے معنی خیزی سے دیکھا تھا۔ نئی نویلی دلہن پہچانی جاتی ہے تو دولہے بھی کہاں چھپ پاتے ہیں۔

زیر لب مسکراتے، گنگناتے، کچھ کچھ بوکھلے سے لگتے نوجوان اگر آپ کو بھی کہیں اردگرد نظر آئیں تو جان لیں کہ مرغا ابھی نیا نیا پھنسا ہے۔ ہی ہی ہی۔

☆ ☆ ☆

پہلا جھٹکا جیب میں ہاتھ ڈالنے پر لگا۔ ارے صبح چابی لے جانا تو بھول ہی گیا۔ (کہاں تو یہ ارادہ تھا چپکے سے دبے قدموں اندر جاکر سجی سنوری منتظر بیگم کو "باؤ" کہے گا اور جب وہ سہم کر اس سے لپٹ جائے گی تب کہے گا "ارے یہ تو میں ہوں۔" مگر حسرت ان غنچوں پہ۔)

سوچ ادھورے مصرعے پر ہی رک گئی اور انگلی بٹن پر رکھ دی۔

مگر یہ کیا؟ کہاں تو بیل کو دھیرے سے چھوا تھا اور کہاں پورا ہاتھ جما دیا۔ مگر دروازہ کھل کر نہ دیا۔ ہاں سامنے دروازے سے ایرا کا مسکراتا چہرہ نمودار ہو گیا۔

"ہیلو عاشر بھائی۔ آفس سے آگئے؟"

"او ہیلو۔ ہاں آگیا۔" اس کے چہرے پر کچھ حواس باختگی تھی۔ "یہ آئرہ دروازہ نہیں کھول رہی۔ خیر خیریت ہے نا؟ میں فون مار رہا ہوں تو بند جا رہا ہے۔"

"تو اس میں پریشانی کی کیا بات۔ وہ آفس سے آکر سوئی ہیں نا اور فون بند کر دیتی ہیں۔" ایرا نے لاپروائی سے کہا۔

"ہاں۔ مگر۔" عاشر کی سانس بحال ہوئی۔ "ابھی سوا سات بج رہے ہیں۔"

"ہاں تو کیا۔ بجھنے تک اٹھ جائیں گی۔ آپ اندر آجائیں۔ میں نے چائے کے ساتھ پکوڑے بنائے ہیں۔ دراصل مجھے صرف پکوڑے ہی بنانے آتے ہیں۔ وہ بھی اس لیے کہ نا تو انہیں بیلنا (رول کرنا) ہے نہ گول کرنا (بال بنانا) ہے۔ بس چمچے سے پکڑ کر تیل میں ڈالتے جاؤ، سمپل۔"

چائے مزے دار تھی اور پکوڑے بہت بڑے بھی تھے اور چورے کی شکل میں بھی۔ مگر ذائقہ دار تھے۔ عاشر کا ارادہ تو پیٹ بھرنے کا تھا۔ مگر پھر ڈنر کے وقت آئرہ برا نہ مانے کہ شادی کے بعد کا پہلا ڈنر۔ اور وہ پکوڑے کھا بیٹھا۔

"نہیں بس۔"

"ارے کیوں؟ لیں نا۔ بھوکے پیٹ نیند کب آتی ہے۔"

عاشر کے جواب سے پہلے اپنے گھر کی بیل بجنے کی آواز آئی۔ پھر ساتھ چابیوں کی آواز اور دروازہ کھل گیا۔ یہ ور تھا۔ تھکا ماندہ۔ شو کا ٹائم تو مخصوص تھا۔ لیکن اگلے دنوں کی تیاری کے لیے اسٹاف کو رات گئے تک کام کرنا پڑتا تھا۔ عاشر گھر کی جانب تیزی سے آیا۔ یہ ور واش روم میں گھس گیا تھا۔ عاشر بیڈ روم میں آگیا۔ اے سی کی کولنگ بھرے پردے مدھم بلب کی روشنی۔ کیا خوابیدہ خوابیدہ ماحول تھا۔

کہاں تو وہ نک سک سے درست بیوی کا سراپا سجا کر آیا تھا اور کہاں یہ۔ مگر اس پر بھی پیار آیا۔ مگر یہ پیار تشویش میں بدل گیا۔ جب آئرہ کو اٹھاتا ہوئے شیر لانے کے مترادف ہو گیا۔

"مجھے بھوک لگی ہے آئرہ! بے حد و بے حساب۔ پلیز اٹھو نا۔ ذرا اکٹھے ہی کریں گے۔ کیا بنایا ہے تم نے؟"

"میں نے بنایا کچھ بھی نہیں۔ میں تو سوئی تھی۔ آفس سے آکر سو جاتی ہوں۔"

"تو کھانا کب کھاتی ہو؟"

"رات کو میں ہیوی کھاتی ہی نہیں، بلکہ چھ بجے کے بعد کچھ بھی نہیں کھاتی۔ بہت ہوا تو فروٹ لے لیا۔ آپ بھی لے لیں۔" آئرہ کی آنکھیں اب تک نیند سے مندھی ہوئی تھیں۔ جبکہ عاشر کی پھٹنے پڑنے کو تھیں۔

"تو کھانا۔ کھانے کا کیا ہوگا؟ آئی مین ابھی ڈنر۔"

بوکھلاہٹ میں جملے تک اٹک رہے تھے۔

"کوئی ڈیل منگوالیں' یا بریانی وغیرہ۔"

"تو وہ تو آج کا مسئلہ حل ہو گا نا' تو پھر کل ـــ کھانا کون بنائے گا۔"

"ہاں ناں ـــ تو وہ بات ـــ میرا مطلب ہے یہ بات تو میں آپ سے کرنا چاہ رہی تھی ـــ کسی کھانا بنانے والی کا بندوبست کریں نا' ڈھونڈیے کوئی۔"

"کیا۔" عاشر کے سر پر چھت گری گویا۔

"تو ـــ تم کھانا نہیں بناؤ گی میرے لیے ـــ اپنے ہاتھوں سے پیار سے محبت سے۔" آرزو نے اب اس کے لہجے کی ٹوٹ پھوٹ کو شاید سنا۔

"بناؤں گی ناں ـــ ایوری سنڈے' سنڈے۔" اس نے کسی بچے کو پچکارنے کے سے انداز میں عاشر کی ٹھوڑی کو چھوا۔

"تو باقی دن کیا کرو گی ـــ تب کون بنائے گا ـــ تم کیوں نہ بناؤ گی؟"

"تو باقی دن تو میں چینل پر کوکنگ کرتی تو ہوں نا۔ پہلے دو آئٹمز بنانے ہوتے تھے اب ویورز کی خواہش ہوئی' دو گھنٹے میں میں کوئی دسیوں چیزیں سکھا دوں۔ آج بھی چار آئٹمز تھے ـــ اسی لیے تو آپ سے کہہ رہی ہوں کک کا بندوبست کر لیں۔"

"یار لوویہ سر کو بنا لیا کرو۔" عاشر کو خیال سوجھا۔

"دوپہر کو تو میں پروگرام کی پریکٹس کرتی ہوں ـــ وہ تو اتنا ٹف ٹائم ہوتا ہے کہ مجھے ہوش نہیں رہتا۔"

"تو ان دو لڑکیوں کو بلوالو جو تمہاری ہیلپرز ہیں۔ تمہارے ساتھ شو میں جاتی ہیں' بی ہائنڈ دی کیمرہ (کیمرے کے پیچھے)۔"

"نہیں کیسے بلوالوں ـــ وہ بھی تقریباً" صبح سے میرے ساتھ ہوتی ہیں' انہیں اپنے گھر جا کر ہانڈی روٹی نہیں کرنا کیا۔" اس نے کچھ ڈپٹ کر پوچھا تھا۔

عاشر کے تو الفاظ ہی گم ہو گئے۔

"یار! ابھی تو کچھ کر دو نا' سچ بہت بھوک لگ رہی ہے۔" اس نے ملتجی لہجے میں کہتے ہوئے اس کے دونوں ہاتھ تھام لیے ـــ تب ہی ایک خوشبو کا احساس

ہوا۔ سانس کھینچ کر محسوس کرنے کی کوشش کی تو آرزو نے جستجو کو جان کر اپنی دونوں ہتھیلیاں اس کے ہاتھ سے کھینچ کر چہرے کے سامنے کر دیں۔

"میں نے مہندی لگوائی ہے۔"

عاشر کو بڑی خوشی گوار حیرت ہوئی۔ اس نے آگے بڑھ کر خوب لائٹس آن کر دیں ـــ گورے بے داغ نازک ہاتھوں پر سرخ بیل بوٹے اور جھکی ہوئی پوریں کیا خوب بہار دکھا رہی تھیں۔

"سب کہنے لگے شادی کے بعد پہلا شو ہے۔ تھوڑا سا چینج تو ہونا چاہیے۔" اس نے وجہ بھی بتا دی۔

"تم نے پہنا کیا تھا؟" عاشر نے پوچھنے کے ساتھ ہی اسے بغور دیکھا۔

سیاہ ڈھیلے پاجامے پر سفید ڈھیلا کرتا ـــ دھلا دھلایا چہرہ۔ کہاں وہ سولہ سنگھار کا سجا سراپا سوچتا آیا تھا۔

"ریکارڈڈ پروگرام میں دیکھ لیجیے گا نا۔" آرزو کو ایک اور جماہی آئی۔

"مجھے بھوک لگی ہے آرزو ـــ پلیز ابھی تو کچھ کرو' بلکہ تیمور بھی آگیا ہے اور بھوک کا وہ بھی بہت کچا ہے۔"

"تیمور نے تو وہیں آفس میں کھا لیا تھا۔ میں جو کچھ پکاتی ہوں' وہاں سب ہی لوگ تو کھاتے ہیں۔ آج تو ویسے بھی نہاری تھی ـــ ڈھیروں نان باہر سے منگوالیے تھے۔"

"مجھ سے اچھا تو تیمور رہا۔" عاشر کا لہجہ حسرت زدہ ہو گیا۔ "یار! تم میرے لیے بھی لے آتیں۔"

"ہائے اللہ! شرم نہ آتی۔" آرزو شرمندہ ہوئی سوچ کر ہی۔

"یار اب کیا کروں' بھوک لگی ہے۔"

"آپ سیب کیوں نہیں کھا لیتے' یا پھر نوڈلز۔"

"مجھے ڈنر کرنا ہے آرزو۔" عاشر کیسے سمجھاتا۔

"ہاں تو کیا ڈنر ـــ رات کو ویسے ہی لائٹ کھانا کھاتے ہیں۔"

"تمہارے کھانوں کے اشتیاق میں دوپہر کو لنچ بھی

گول کیا۔ ارادے کے پکوڑے بھی ٹھکرادیے آپ۔"

"پھوپھو سے نہ مانگ لوں ایک پلیٹ... آپ کے لیے۔"

"نہ... نہ یہ نوٹ کریں... شرم نہ آئے گی۔"

"سینڈوچ بنالوں؟" آخر آئزہ کو اندازہ ہوا کہ اسے کچھ بنانا ہی پڑے گا۔

"جب بنانے ہی لگی ہو تو کوئی کام کی چیز بنادو بابا... چکن یا قیمہ یا چاول' چائنیز رائس بنادو۔"

"آپ کو پتا ہے' چائنیز رائس کی پری پریشن میں کتنا وقت لگتا ہے۔" آئزہ کی آنکھیں پھیلیں۔

"اسکرین پر تو آدھے گھنٹے میں بن جاتے ہیں۔"

"وہ اسکرین ہوتی ہے جناب... جہاں سب اچھا نظر آتا ہے۔"

"صحیح کہتی ہو۔" عاشر نے تسلیم کرہی لیا۔

"چلو چھوڑو... کچھ بھی بنادو۔" عاشر کمرے سے باہر نکلا اور تیمور کو دیکھ کر حیران رہ گیا۔ وہ بڑے بڑے ڈونگے میں نوڈلز بھر کے کھا رہا تھا۔

عاشر کے چہرے کی ساری داستان کو پل بھر میں پڑھ لیا۔ پھر پیالہ نیچے رکھا۔ کچن سے ایک اتنا ہی بڑا تیار پیالہ بھائی کو بصد احترام پیش کیا۔

"میں نے بنایا تھا پہلے ہی... آپ کے لیے۔"

(دراصل تیمور کو تو پتا تھی نا آف اسکرین والی بات۔)

☼ ☼ ☼

اور آف اسکرین والی بات۔

ہائے۔

تیمور نے جو آئزہ کا ہونے والی بھابھی... سن کر سر ہاتھوں پر گرایا تھا۔ وہ بلاوجہ تھوڑی تھا۔ اپنی ذاتی زندگی میں وہ فطرتاً "عادتاً" "مزاجاً" کیسی تھی۔ اس سے تیمور کو بھلا کیا غرض' مگر جو ایک مجموعی تاثر کیمرہ آف ہوتے ہی اس کا پیش ہوتا تھا۔ وہ تیمور ہی کو کیا ساری ٹیم کو سر پیٹ لینے پر مجبور کردیتا تھا۔

نت نئے پکوان بنانا' تجربے کرنا اس کا شوق تھا۔ کچھ قدرتی خوبی' کچھ اس نے سیکھ کر مہارت حاصل کی اور پھر اب جب پروفیشن بن گیا' تب تو سونے پہ سہاگہ والی بات ہوگئی جیسے۔

ایک سے ایک تجربہ کار مرد و زن شیف موجود تھے۔ جن کی مہارت اور ذائقہ انمول تھا۔ ہر ایک کی اسپیشلٹی... مگر آئزہ امتیاز کے اپنے ہی انداز تھے۔ شخصیت کے بھی اور پکانے کے بھی۔

مگر اس سب سے ہٹ کر... آئزہ کے دیگر کام بھی سب سے الگ تھے۔

چینل کی طرف سے ہر شیف کو ہر قسم کی فل ہیلپ میسر ہوتی تھی۔ بہترین بجٹ کے ساتھ ہر ریکوائرمنٹ پوری کی جاتی۔ پھر اسپانسر کی جانب سے ملنے والی فیسیلیٹیز' اسی طرح کوکنگ کرتے ہوئے ہیلپرز بھی مہیا کیے جاتے۔ اکثر شیف اپنی پسند کے اپنے ذاتی ملازم ہمراہ رکھتے۔

آئزہ کے پاس آفس کے ملازمین کے علاوہ اپنی دو ذاتی ملازمائیں بھی تھیں۔

شروع میں تو تیمور کے لیے ہر چیز نئی تھی۔ مگر پھر جب کچھ دن گزرے۔ تب اسے احساس ہوا کہ ان کی شیف کی ادائیں اور رویے کا انداز سب سے جدا ہیں۔

دراصل آئزہ وہی جوان تھی' جس کے بارے میں بڑے بزرگ کہہ گئے ہیں۔

"کام کرنا جوان کی موت ہے۔"

ٹی وی پر ڈیڑھ سے دو گھنٹوں میں پک جانے والے طرح طرح کے سادہ یا پھر بہت مشکل کھانے' ان کی آف اسکرین تیاریوں میں صبح سے لگنا پڑتا۔ خریدنے سے لے کر کوکنگ ٹیبل پر آنے تک۔

اور آئزہ کو صرف مطلوبہ سامان کی لسٹ دینی ہوتی۔ وہ خدا کی بندی وہ بھی خود نہ لکھ کر دیتی۔ صوفے میں دھنس کر لکھوائی جاتی۔ کٹوائی جاتی پھر لکھوائی جاتی۔ پروگرام کی ہر نوک پلک کے حوالے سے بہت بکی ہوتی۔ مگر کسی چیز کو ٹچ نہ کرتی۔ بس حکم صادر کرتی۔ چھوٹی سے چھوٹی چیز سے لے کر بڑی سے بڑی کٹائی دھلائی تاب نوال سب پہلے سے کرنی ہوتی تھی۔ تاکہ پروگرام میں وقت ضائع ہونے سے بچے اور یہ ایک

اصول بھی تھا۔ ہر کوکنگ شو کی تیاری ان ہی مراحل سے گزرتی تھی۔ مگر وہاں شو کا سیٹ پوری انوالومنٹ رکھتا۔ ہیلپرز کی موجودگی کے باوجود خود آگے بڑھ بڑھ کر کام کرتے کہ کہیں کوئی کمی نہ رہ جائے۔ بس ایک آرزو تھی جو کلو بھر وزن بھی نہ اٹھا سکتی۔

بس ساری پھرتی کیمرہ آن ہونے عود کر آتی اور کیمرہ آف ہوتے ہی ہاتھ یوں ڈھیلے کر دیتی کہ جیسے کیمرہ کا اور اس کا آن آف کا سوئچ ایک ہی ہو۔

اس بے حد لاپروایانہ روش کے باوجود شو قسمت سے ہی نسبون چل رہا تھا اور یہ چیز آرزو کے نخروں اور ڈھیلے پن کو مزید بڑھاوا دیتی۔

نزاکت کا عالم یہ تھا کہ حلیم بناتے وقت جب آن اسکرین ڈوئی گھمانا پڑی۔ تب کیمرہ آف ہوتے ہی کلائی پکڑ کے ہائے ہائے کرنی شروع کر دی۔ ڈوئی گھمانے کا باقی کام ایک بیٹے کے لائٹ مین سے لیا۔

پروگرام ختم ہوا تو۔۔۔ آرزو امتیاز آیوڈیکس کی مالش کروا کے پی اے بیٹ کے گھر کو نکلے۔

ہری مرچیں تو کاٹی ہی نہ تھی کہ بعد میں ہاتھ اور انگلیاں جلتی ہیں۔ "اگر کاٹوں گی تو گلوز پہن کر۔۔۔"

اس نے ڈائریکٹر کے ٹوکنے پر کہا۔

"نہیں، نہیں ویورز کو ہضم نہیں ہوگا۔ بہت آرٹی فیشل لک آئے گی ٹاٹ نیچرل۔" وہ بولا۔

ہری پتوں والی سبزی نہ کاٹی کہ ہاتھ سبز کے بعد کالے ہو جاتے ہیں۔ جبکہ دوسرے شیف کٹنگ بورڈ پر بڑی مہارت سے چوپنگ کا کام کرتے تھے۔ اس بے حد نان پروفیشنل رویے کے باوجود وہ پروفیشنلی بہت کامیاب تھی اور اسے یقیناً "قسمت" ہی کہا جا سکتا تھا۔

وہ بہانگ دہل کہتی "کوکنگ اس کا پیشن ہے' شوق ہے۔" تجربات اسے بھاتے اور مزید کی جستجو رہتی ہے۔

تب سننے والے سراہتی نگاہوں سے سر دھنتے اور ٹیم ممبر ایک دوسرے کو دیکھ کر رہ جاتے کہ بولیں تو کیا بولیں۔

دوسری طرف یہی پیشن (شوق) جب اپنے گھر کے باورچی خانے میں آتا تب صورت حال الٹ ہو جاتی۔ وہ اپنے شو کے لیے تو صبح دس بجے سے گھر سے تیاری شروع کر کے ادھ پکے کھانوں کو بصد شوق پیک کر لی (ملازماؤں سے کروا لیتی۔) مگر شو سے واپسی پر گدھے گھوڑے بیچ کر بے سدھ ہو جاتی۔ جب رات گئے فریش ہو کر اٹھتی تو فریج سے نکال کر کچھ بھی کھا لیتی۔ یوں بھی رات دیر سے کھانا کھانا صحت کے لیے کب درست ہوتا ہے۔

اور اسے گھر میں کوکنگ کرنے کو کوئی کہتا بھی نہیں تھا۔ روٹین کے کاموں کے لیے ماسی آتی۔ روٹیاں بھی ڈال جاتی۔ سالن شاہی پھوپھو بہت شوق سے بنایا کرتیں۔ بس ایک ابراو تھی جو اس سے فرمائش کر کے، ضد کر کے بلکہ دھونس جما کر نت نئے پکوان بنواتی اور کھاتی اور ایک نہ چلنے دیتی۔ یہ کبھی بنا دیتی' کبھی ٹال جاتی۔ تب ابراو فون کر کے ممی پاپا کو شکایتیں لگاتی۔

"بھولی بہن کو بھوکا مارے گی' آپ کی کوکنگ ایکسپرٹ بیٹی میں نے لکھ رکھی ہے اپنی وصیت۔ وقت پر کھانا نہ ملنے کی وجہ سے میں مری ہوں۔

ابراو امتیاز۔

آرزو امتیاز کی چھوٹی بہن۔۔۔ آگے آرزو کا تفصیلی تعارف۔

مرنے سے پہلے نیٹ پر یہ پیغام چھوڑ جاؤں گی' بار۔۔۔"

نب وانت کچکچاتی آرزو کو ہر وہ شے اسے بنا کر دینی ہی ہوتی جو بھی اس نے شو میں بنائی ہوتی۔

مگر ابراو کے اس لاڈ یا دھونس سے پرے اب یہ شادی شدہ عملی زندگی تھی۔ جہاں عاشر کی بہت سی امیدیں تھیں اور کچھ دنوں کے ناز نخروں' چیلوں' بہانوں کے بعد آرزو کو اندازہ ہو گیا کہ جان بخشی ممکن نہیں۔ اسے کچھ نہ سہی' عاشر کے کھانے پینے کی ذمہ داری لینی ہی ہوگی کہ وہ بھی اماں جان کی طرح سالن کم از کم اپنے ہاتھوں سے ضرور ہی بنائے اور یہ کوئی اتنا بڑا مسئلہ نہیں۔ آخر کو وہ ایک شیف ہے۔

"تو کیا آپ نے مجھ سے اس لیے شادی کی کہ میں

ایک شناخت تھی۔" آمنہ کے دل کو دھچکا لگا۔ "آپ نے مجھ سے میرے وجود سے میری شخصیت سے میرے سب۔"

"ہاں ۔۔۔ بس ۔۔۔" اس کی "میں" "میں" نے عاشر کو بوکھلا دیا کہ آنکھیں بھی ساتھ ہی بھر آئی تھیں۔

"ارے یار! ہم زلف گرہ گیر کے اسیر ہوئے تھے، وہ تو بعد میں پتا چلا کہ حسن کے اس فل پیکیج کے ساتھ کچھ دل فریب آفرز بھی موجود ہیں۔ جیسے کہ ۔۔۔" اس نے سوچنے کی اداکاری کی۔ "چلو ایک آفر شیئنٹ ہونے کی بھی ایڈ کر لو۔" ذرا بے نیازی سے کہا۔

"مگر مرد، عورت کو چولہے ہانڈی ہی لگا کیوں دیکھنا چاہتے ہیں۔"

"کیا یہ چاہیں کہ گھر آئیں تو بیوی گلی کے کھمبے کی لی ایم ٹی ٹھیک کر رہی ہو۔ کے الیکٹرک کی گاڑی سے نکلی سیڑھی پر چڑھی۔" عاشر کے جواب نے آمنہ کی آنکھیں حیرت سے پھیلا دیں۔ جو جملے کے اختتام پر زور سے ہنس رہا تھا۔

"مرد ہمیشہ باتوں ہی سے چلاتے ہیں۔"

"عورت چلتی ہی باتوں سے ہے۔" عاشر نے محبت سے کہا۔ "میری جان! ایک فقط رات کے کھانے کا سوال ہے تمہارے ہاتھوں سے بنے لاجواب ذائقے دار سالن اور تازہ پھلکے ۔۔۔ غریب اس سے زیادہ چاہتا ہی کیا ہے۔"

"یہ غریب ہے۔" آمنہ نے نثار شیار بشاشت سے عاشر کو سراہتی نگاہوں سے دیکھا۔

"صرف غریب کیوں ۔۔۔ بھوکا بھی ہے۔" اس کی سوئی وہیں اٹکی تھی۔

"مگر مجھے پھلکے بنانے نہیں آتے۔" آمنہ نے ایک بڑا مسئلہ بتایا۔

"کیا ۔۔۔!" عاشر کی چیخ نکل گئی۔ "یار! پھلکے تو چودہ برس کی بچیاں بھی اتار لیتی ہیں۔"

"بس میری یہی ایک کمزوری ہے۔ آتے ہی نہیں لاکھ کوشش کروں۔" آمنہ نے صاف انکار کیا۔

اور آنے والے دنوں میں عاشر پر ایک اور نیا مگر بے حد عجیب انکشاف ہوا۔

آمنہ چولہے کی اونچی لپٹوں پر فرائی پین کو اچھال اچھال کر پھلیاں فرائی کر سکتی تھی۔ کڑاہی کے اندر آگ لگا کر تھائی اسٹائل میں کھانا سرو کر سکتی تھی۔

بھنڈی پزا اور بیکری آئٹم بنا سکتی تھی۔

انالا نزین انٹرنیشنل ڈیزرٹ۔

مگر ۔۔۔ مگر ۔۔۔

ایک خالص گھریلو ذائقہ کا آلو گوشت اس سے بنتا ہی نہ تھا۔

براؤن پکوڑے تو بنا لیے مگر بالک پیاز کے وہ سادہ پکوڑے جو عورتیں جھٹ پٹ تیار کر لیتی ہیں۔ آمنہ سے وہ ذائقہ نکل ہی نہ پاتا۔

دنیا کے ہر طرح کے سیلیڈ بنانے میں وہ ماہر تھی۔ مگر سادہ ٹماٹر پیاز ہری مرچ کا کچومر سلاد جسے بنائی کہ نام ہی سے دل کو کچھ ہوتا ہے۔

"کچو ۔۔۔ ور ۔۔۔ اوں ہوں ۔۔۔"

اس سے بگھار والی مونگ کی کھچڑی بھی نہ بنی۔

عاشر کے پسندیدہ گڑ کے چاول بھی نہ بنا سکی۔

ہاں مشکل ناموں والی بھاری بجٹ کی جو شے مرضی بنوا لو ۔۔۔ اس کے ذائقے اور مہارت میں کوئی شک نہیں۔

مگر خدا کے بندو ۔۔۔ روز ۔۔۔ روز یعنی کہ دن میں تین بار تو انسان فل پروفیشنل ٹچ کے مشکل ناموں والے ہیوی کھانے تو نہیں کھا سکتا نا۔ آخر اسے زندہ رہنے کے لیے دال چاول بھی تو کھانے ہوتے ہیں نا ہیں کہ نہیں۔

اور پھلکے بھی ۔۔۔

ہائے ہائے ۔۔۔ اسے کہتے ہیں حسرت ان غنچوں پہ ۔۔۔ یا چراغ تلے اندھیرا ۔۔۔ جیسے کہ ایک دن ۔۔۔

عاشر نے شدید گرمی سے آ کر **سکنجبین** کی فرمائش کر دی۔ کوئی زمانے گزرنے کے بعد آمنہ برآمد ہوئی۔ بہت خوب صورت جو کور پلیٹ میں وائن گلاس رکھا تھا۔ جس میں یقیناً "**سکنجبین**" تھی۔ گلاس کے سرے پر لیموں کی باریک گول قاش اٹکا دی تھی۔ ایک

چھوٹی سی چھتری بھی ساتھ کھڑی تھی۔

ذائقہ بھی بہت اچھا تھا۔ پیاس سے آتاؤ لے ہوتے عاشر نے لیموں کی قاش اور چھتری کو تیزی سے اتار کر پلیٹ میں رکھا اور ایک ہی سانس میں گلاس حلق سے اتار کر مزید کے لیے ہاتھ آگے کیا۔

"کیا...؟" آمنہ نہ سمجھی۔

"سیکنڈ ہیلپ..."

"مگر وہ تو ایک ہی گلاس بنائی تھی۔" آمنہ نے معصومیت سے شوہر کو دیکھا۔

جگ کو منہ لگا کر ایک ہی سانس میں ڈکار جانے والے عاشر کو پھندا لگا۔ حلق کے بل چیخا۔

"کیا... آ آ..." گونج نے آمنہ کے دل کو دہلا دیا۔

اچھا خاصا شوہر کبھی کبھار وہ لگتا... وہی نا... وہ جو کہتے ہیں... وہی... ڈنگ... ہاں! ڈنگر ہی تو کہتے ہیں۔

آمنہ نے دونوں ہاتھوں کو سر پر گرائے عاشر کو دیکھتے ہوئے وثوق سے موزوں خطاب سوچا تھا۔

☼ ☼ ☼

بیا بڑے دنوں بعد آئی تھی۔ آج زمانوں بعد شاہی پھپھو کے گھر سے اونچا جناتی میوزک ابھرا تھا۔ اتنے عرصے بعد مل بیٹھنے کے لیے یہ تینوں بھی کامن میں آگئے کہ رت جگا کریں گے جھلے سے اپنے گھر کے کامن میں بیٹھتے یا شاہی پھپھو کے... مگر اس وقت عاشر اور ابوذر حیران رہ گئے۔ بیا نے گرلز نائٹ میں ان کا داخلہ ممنوع کیا اور آمنہ محفل سجانے کے بجائے اپنا تکیہ اٹھا کر دروازہ پار کر گئی۔ یہ ارے ارے کرتے رہ گئے۔

"بیچلر لائف کی یادیں انجوائے کریں۔" اس نے انگوٹھا دکھاتے ہوئے دروازہ بند کر دیا۔

"آپ بھی کریں انجوائے... اپنی یادیں۔"

"ہونہہ... وہ کون سی سہانی یادیں تھیں۔ ایک سے بڑھ کر ایک مشکل۔"

"یار! تیری بیوی میری بیوی کو بھی ورغلا کر لے گئی۔" عاشر ابوذر پر چڑھ دوڑا۔

"تو یہ بھی ناشکری کی ایک صورت ہے... میں تو کہتا ہوں میری والی کو کوئی ایسا ورغلائے کہ واپسی کا خیال ہی بھول جائے... یہ آزادی تو بس رات بھر کی ہے۔"

"اتنی جلدی... تیمور اچھل پڑا۔" ایسے جھلے کیان بچوں اور بائیس سالوں کے بعد کہے جاتے ہیں اور تو ابھی سے..."

"اور یہ بھوکوں کی طرح ہمارا فریج کیا ٹٹول رہا ہے۔" تیمور نے اسے مسلسل فریج کے اندر سر دیے ہوئے دیکھ کر اچنبھے سے سوال بدل دیا۔ "اب تو تو شادی شدہ گھر بار والا ہے۔"

"ابے شادی کا نام نہ لے۔" ابوذر دھاڑ سے دروازہ بند کر کے پلٹا جیسے کہ تڑپا۔ "شادی نے تو بھوکا مار دیا یار!"

"تجھے بھی؟" عاشر نے اچھل کر بے ساختہ پوچھا۔

"کیا مطلب تجھے بھی؟ تم لوگ تو خوش قسمت ہو آمنہ بھابھی جیسی خاتون..."

عاشر اور ابوذر ایک دوسرے کو دیکھ کر رہ گئے۔

ہماری خوش قسمتی بتانے کا پیرا میٹر ہمیشہ دوسروں ہی کے ہاتھوں کیوں ہوتا ہے۔ جس سے ہمیں پتا چلتا رہتا ہے وقتاً "فوقتاً" کہ ہم خوش قسمت ہیں۔ خود سے بدقسمتی کا بتائیں تو لوگ یقین نہیں کرتے۔ ناشکرے ہونے کا خطاب دے دیتے ہیں۔ ارے یہ کوئی جو دل کے اندر جھانکے اور وہاں سے اٹھتی درد کی پکاروں کو سنے۔ عاشر اور تیمور کی سوچ یکساں تھی۔ ہاتھ دل پر دھرے تھے۔

"ویسے واقعی شادی کے چند مہینے اور یہ انداز... ہوا کیا ہے؟" عاشر نے پوچھا۔ "تم تو ایسے ایکسائٹڈ تھے کہ جیسے ہفت اقلیم کی دولت مل گئی۔"

"یار! لوگ صحیح کہتے ہیں شادی سے پہلے کچھ ملاقاتیں اور باتیں مزاج آشنائی کے لیے ہو ہی جانی چاہئیں۔" ابوذر کسٹرڈ کا پورا ڈونگا لے کر بیٹھ گیا اور یہ بھاڑ سا بڑا منہ کھول کر ڈونگے ہی کے چمچے سے یوں کھانے لگا جیسے غم غلط کر رہا ہو۔

(سارا ہی کھا جائے گا سالا... عاشر نے سوچا... دکھی

داستان سننے کی زحمت ایک دوست کا۔)

☼ ☼ ☼

سب سے پہلا تو اسے پیا کا وہ سہما سہما ہراساں انداز ہی بھا گیا۔ وہ جس طرح اپنے کسی دشمن کو پلٹ پلٹ کر دیکھتی تھی اور سہمی نگاہوں سے اس سے مدد کی طالب تھی۔ یہ احساس برتری مردانگی کو جلا دینے والا تھا۔ پھر جب ذرا سا وہ اپنے خوف سے ابھری اور پرسکون ہو کر بیٹھی۔ تب ابوذر پر اس کے موہنے چہرے کی خوب صورتی پوری طرح واضح ہو گئی۔ ایک دوسرے میں پیوست اس کی انگلیاں گداز اور دلنشین تھیں۔

بے داغ ملائم گداز۔ مکھن سے بنے یا موم سے... یا پھر۔

مکھن یا موم۔

کوئی ہفتہ دس دن ہاتھوں نے بے چین رکھا۔ پھر اس کے بعد چہرہ اور پھر وہی ہراساں آنکھیں... لو جی... ابوذر صاحب کی قسمت پر داب دے گئی۔

اپنی اماں کو فون کھڑکایا۔ بات آگے بڑھی تو اماں نے واحد اعتراض لڑکی کے بھاری ہونے کا کیا۔ تب ابوذر نے بھاری پن کو بھی ایک پلس پوائنٹ کہہ دیا۔ اماں کو کیا اعتراض۔

دراصل ابوذر سے اندازے اور قیاسے کی بڑی غلطی ہوئی۔

کچھ دوستوں کے تجربات، کچھ آنکھوں دیکھی کے باعث اور گردوپیش کی سنی سنائی باتوں کے زیر اثر بھاری بیوی سراسر فائدے کا سودا تھی، لیکن۔

دبلی پتلی چھریری نظر آنے والی بیوی ساری زندگی ویٹ کانشس رہتی ہے۔ سونگھ سونگھ کر کھاتی ہے اور کھلاتی ہے۔ (ایک دوست کا قطعی فیصلہ)

وہ شوہر بھی اپنے ہی جیسے وزن اور جسم کا چاہتی ہے اور ذرا سی بھی چربی چڑھ جائے تو برداشت نہیں کرتی۔ اتروانے کے لیے سر دھڑ کی بازی لگوا دیتی ہے۔ کھانا بند کروا دیتی ہے اور بعض تو ناکامی کی صورت میں چھری پکڑ کر خود ہی اس بڑھے گوشت کو اتارنے کی خواہش کا

اظہار کرتی ہیں۔

چونکہ اسمارٹ ہوتی ہیں، سلم ہوتی ہیں تو ہر آنے والے نئے فیشن کو باآسانی اپنا لیتی ہیں اور اس مقصد کے لیے میاں کی جیب کا کباڑہ کرنے کے لیے کسی بھی بوتیک میں گھس جاتی ہیں۔

اچھے لنگر اور لباس کے بعد ریگولر بیوٹی ٹریٹمنٹ کے لیے پارلر کا خرچا گھر کا بجٹ بناتے ہوئے سب سے اوپر رکھتی ہیں۔

اگر کبھی بھی ذرا سا بھی ویٹ بڑھنے کا شک ہو جائے تو فوراً "سلمنگ سینٹر" جوائن کر لیتی ہیں، یا پھر واک پر صبح بھی اور رات کو بھی... اور بھلے سے سارا دن واک کرتی رہیں مگر شوہر کو ساتھ کیوں گھسیٹتی ہیں۔

اور سب سے بڑھ کر ویٹ کانشس خواتین کا کچن بھی عجیب و غریب ہوتا ہے۔ جہاں گھی نہیں ہوتا۔ چاول نہیں ہوتے، آلو نہیں آتے، تلی ہوئی چیزیں، ہائے بیچاری کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ (اگر نہ نو من تیل ہوگا نہ رادھا ناچے گی، جبکہ رادھا ناچتی کتنی پیاری لگتی ہے۔)

اب بندہ سوچے کہ تمام خوب چیزوں سے بننے والے آئٹمز جب کچن میں نہیں بنائے جائیں گے تو چاہے کچن کا بجٹ کنٹرول رہے گا۔ تو یہ سراسر خوش فہمی ہے۔

چاول آئیں گے تو براؤن چاولوں... عام رائس سے مہنگے، بریڈ آئے گی تو براؤن بریڈ۔ آئل سب سے مہنگا جو وزن کو کم کرے۔

اور مہنگے سے مہنگے ڈائٹ پلان، جو جیب کو اتنا ٹائٹ کر دیں گے کہ سانس ہی رک جائے۔

لہٰذا ان تمام سولڈ سولڈ وجوہات کو دیکھتے ہوئے، پیا ابوذر کو ایک بہترین پیکج لگی۔ وہ ان تمام عادتوں سے دور ہوگی، جو ایک اسمارٹ عورت کی زندگی کو مشکل بناتی ہیں۔ (اور اس عورت کے شوہر کی زندگی کو مشکل ترین)

ابوذر کو پہلے پیا کا چہرہ پیارا لگا۔ پھر ہاتھ اور پھر جب پورے سراپے کو دیکھا تو جیسے ٹوٹ کر پیار آگیا۔

"موٹی لڑکیاں کھانے پینے کی بے پناہ شائق ہوتی ہیں۔ ہاتھ روک ہی نہیں پاتیں۔ ہر شے کھا جاتی ہیں۔" (اسی لیے تو موٹی ہوتی ہیں)

ابوذر نے سوچا' وہ خود جی بھر کے کھائے گی تو اسے بھی تو کھلائے گی نا۔ یعنی خوب گزرے گی جو مل بیٹھیں گے (دیسا خور...)

لیکن...

بیا موٹی تو تھی۔ مگر وہ کھانے پینے کے معاملے میں کتنی محتاط تھی' یہ اب بتانے کی بات تو تھی نہیں۔ دہرانے سے کیا فائدہ۔

ابوذر حق دق رہ گیا۔ اول تو وہ کچھ کھاتی ہی نہیں تھی اور اگر کھاتی بھی تو... کھیرے ککڑیاں (لکڑیاں) گھاس پھونس... ابلی ہوئی بے رنگ بے ذائقہ سبزیاں...

ایک مخصوص ڈائٹ پلان پر چلتی ایک انچ نہ سرکتی اور سب سے تکلیف دہ پہلو یہ تھا کہ اسے بھی چلاتی کہ اس کے خیال میں اسے بھی وزن کم کرنے کی ضرورت تھی۔ صرف وہ دن سکون کا ہوتا' جس دن چکن بروسٹ کھانے کی اجازت تھی یا پورا دن شامی کباب یا گرلڈ چکن پیس... لیکن اس شاندار دن کے بعد سلاد ڈے بھی آتا' جس میں سارا دن جگالی کرنا پڑتی۔

کبھی تو وہی تھا جو شادی کے بعد پہلی گرد سری کے دوران خرید آ گیا۔ دوبارہ خریدنے کا موقع ہی نہ بنا کہ پچھلا ختم ہوتا تو اگلا لیتے نا... رس ملائیاں... گلاب جامنیں... شیرے میں لتھڑے رس گلے کھانے کا شائق ابوذر میٹھے کی تیجیل' ڈیمانڈ پر کیلا کھاتا۔ سیب اور بیر۔ اف...

چائے میں وائٹ شوگر کے بجائے براؤن شوگر...

بریانی کی ڈرے کھا جانے والے ابوذر کو ابلے ہوئے چاول کا ایک پیالہ ملتا۔

"اللہ جانے آپ نے باڈی بلڈنگ کر کیسے لی۔ کس طرح سے کھاتے ہیں آپ؟" بیا کان پکڑتی۔

"وہ... وہ زمانہ تھا اور اب یہ زمانہ ہے۔ تب بھی نہ کھایا اب بھی نہ کھاؤں۔"

"مجھے تو نہیں لگتا کہ تب بھی نہ کھایا ہوگا۔"

"تو کیا... جسم ایسے ہی بن گیا۔" ابوذر نے بازو اٹھا کر مسلز بنا کر دکھائے۔

"پتا نہیں کیسے بن گیا۔ بہر حال میرے گھر میں تو یہی سب بنے گا۔"

"میرا بھی تو ہے۔" ابوذر نے دہائی دی۔ "گھر..."

"ہاں تو میں کب انکار کر رہی ہوں۔ گھر کو گھر ہی رہنے دیں' برنس روڈ یا ناظم آباد کی فوڈ اسٹریٹ نہ بنائیں۔"

"اور کچن کی اس بدحالی سے پرے..."

اپنے پچھلے تکلّر کو قطعاً اگنور کر کے بیا کو کلفٹن اور طارق روڈ کی ہر بوتیک میں جانا ہوتا۔ اسے جو لباس پسند آ گیا۔ وہ کتنے کا بھی ہو اور بھلے اس پر اچھا لگے یا نہ لگے' اسے لینا ہی ہے۔

"اچھا پہننا تو میرے بچپن کا شوق ہے اور اس پر کوئی کمپرومائز نہیں۔ اسی لیے تو میں وزن کم کرنا چاہتی ہوں۔ دوبارہ شیپ میں واپس جانا چاہتی ہوں۔"

"ہائے کیا دن تھے وہ بھی... جب ہم آنٹی کے کپڑے چرا چرا کر پہنتے تھے' حق ہاں۔" سنہری یادوں نے چہرے کو جگمگا دیا۔ جبکہ ابوذر کے حلق میں سانس اٹک گئی۔

"چوری... یعنی کہ چور... نہیں چورنی۔" (ابوذر کی بیوی چورنی۔)

"ہاں نا... یاد نہیں وہ دن جب... میں نے آپ سے پناہ مانگی تھی۔"

"بھولا ہی کب..." ابوذر تفصیلات سن سن کر غش کھا رہا تھا۔

اور ابوذر کی امیدوں کے محل پر آخری ضرب... بیوٹی سیلون کا خرچا تھا۔

بیا ہر مہینے پارلر کا وزٹ کرتی اور...

کٹنگ' ویکسنگ' ٹرمنگ' پیڈی کیور' منی کیور اور تھریڈنگ فارم والے سارے آئی این جی کروا کر جیبیں جھاڑ کر آ جاتی۔

"یار! تیری داستان تو ہم سے بھی زیادہ دکھی ہے۔"

عاشر اور تیمور دل و جان سے قائل ہو گئے۔

"آج ڈنر کیا کیا تھا؟"

"جنی میں اپلے بھنے تیتر سے تھے۔ کہیں کہیں بھولی بھٹکی بوٹی کا ریشہ۔"

"اسے چکن کارن سوپ کہتے ہیں۔" تیمور نے تصحیح کی۔

"نہیں بس۔" ابوذر کا سر زور زور سے نفی میں ہلا۔

"جب بیا بنائے گی تو وہ قسم سے وہی لگتا ہے۔ وہی جسے یار لوگ مرغی کا غسل میت کہتے ہیں۔"

کہنے کے ساتھ ابوذر نے بڑا سا سر ڈونگے ہی میں ڈال لیا۔ تاکہ دیواروں پر لگے کسٹرڈ کو چاٹ سکے۔ جبکہ غسل میت کی اصطلاح پر عاشر اور تیمور کے قہقہے باہر کو ابل پڑے تھے۔

☼ ☼ ☼

ایک ہی شہر میں رہتے ہوئے سرسری ملاقاتیں تو ہوتی ہی رہتی تھیں۔ مگر اس طرح فرصت سے رات گئے تک شاہی پھوپھو اور ابراو کے ساتھ رت جگا کرنے کا مزہ ہی جدا تھا اور آج کی اس بیٹھک کا کارن بس پھوپھو اور ابراو کا دبئی جانا تھا۔ ابرار سیریز کے بعد فارغ تھی۔ ہاں اسے ممی پاپا کی یاد بھی بہت شدت سے آرہی تھی۔

اور سب سے بڑھ کر آئزہ اور بیا کی ہنسی مسکراتی کامیاب زندگی سے بھی جل جل کر کباب ہو رہی تھی۔ اور اس نے اپنی ساری کیفیت ان دونوں کو تفصیل سے بتائی کہ کیسے اسے دونوں سے حسد محسوس ہوتا ہے۔

اور لفظ حسد سن کر تینوں ہکا بکا رہ گئیں۔ مگر جب کارن سنا تو ہنس ہنس کر لوٹ پوٹ ہو گئیں۔

"ہیں نا آنٹی دست شناس نے آپ دونوں کے بارے میں جو جو پیشن گوئیاں کیں وہ درست ثابت ہوئیں اور جو کچھ میرے لیے کہا وہ تو کچھ بھی نہ ہوا۔"

"تمہارے لیے کیا کہا تھا؟" آئزہ کے ذہن سے نکل چکا تھا۔

"وہی۔" ابراو نے ٹھنڈی آہ بھری۔ "میں اور شاہد آفریدی۔" اس کے تو حلق میں جیسے آنسو آن رکے۔

"میں تو اس علم پر یقین ہی نہیں کرتی۔ جو ہوتا ہے اللہ کی طرف سے۔" آئزہ نے کہا۔

"لیکن میں تو بھی مانتی ہوں مجھے تو ملا نا خوابوں کا شہزادہ۔" بیا بھی بچی تھی۔

"خوابوں کا شہزادہ تو کل ہی جاتا ہے۔ ہر سو میں سے ملے تو جو ملتا ہے اچھی بچیاں اسے ہی شہزادہ مان لیتی ہیں۔ مان لینا چاہیے۔" شاہی پھوپھو نے اپنی عمر' تجربے اور تجربے کے حساب سے سونے میں تلنے والی بات کہی۔

آئزہ اور بیا قائل ہو کر سر دھننے لگیں۔

☼ ☼ ☼

دبئی جیسے شہر میں پیدا ہونے اور پھر رہائش کے باوجود ایسا موقع پہلی بار بنا تھا کہ ابراو کسی کرکٹ میچ کو دیکھنے کے لیے گراؤنڈ میں آئی جیتی تھی۔ یہ انڈو پاک کا میچ تھا اور گراؤنڈ میں سنسنی کا جو عالم تھا اسے ضبط تحریر میں لانا "افریبا" ناممکن۔ سانسیں تک رکی ہوئی تھیں جیسے۔

ابراو کی ایکسائٹمنٹ کا کیا کہنا۔ گراؤنڈ میں بیٹھ کر میچ دیکھنے کا پہلا موقع۔ اور میچ بھی وہ جس میں شاہد آفریدی موجود تھا۔ مگر وائے ری قسمت' پانچ میچوں کی اس سیریز میں آفریدی نہیں چلا تھا۔ اس کے باوجود دو میچ انڈیا نے جیتے تھے اور دو پاکستان نے۔

آج کے میچ کی گرمی ہر سو چھائی ہوئی تھی۔ دونوں جانب ٹیموں میں خوب تبدیلیاں کی گئی تھیں۔ مگر دونوں جانب ایک سوچ یکساں تھی۔ اگر آفریدی چل گیا۔

انڈیا کا دھڑکا۔ بھگوان نہ کرے۔

"اللہ کرے بس ایک بار آفریدی جم جائے تو بس پھر سے خیر اں ہے۔" پاکستانیوں کی امید انڈیا نے پہلے بیٹنگ لی اور بولرز فیلڈرز کی مٹی پلید کرتے ہوئے رن ریٹ کو پونے تین سو سے اوپر لے گئے۔

آفریدی نے دو وکٹیں لے کر دو سمبٹی تو دو کیچ چھوڑ

کر خوب لعنتیں بھی سنی تھیں۔ انڈیا کے صرف تین کھلاڑی آؤٹ ہوئے تھے۔ میچ آخری اوور میں پہنچا تو بیٹسمین نے بلے کو کھلی چھوٹ دے دی۔ میدان کے چاروں جانب خوب صورت جارحانہ اسٹروکس۔۔۔ فیلڈرز دیکھتے رہ جاتے اور گیند کہاں سے کہاں۔۔۔ آفریدی بولنگ کے لیے آیا۔ تو عوام متزلزل تھی۔

اب کیا ہو سکتا تھا۔

لیکن آفریدی کو دیکھ کر جنونی ہو جانا جیسے فطری تقاضا ہو جاتا تھا۔ سو گراؤنڈ میں بوم بوم کا شور مچنے لگا۔ پاکستانی شائقین انگوٹھوں کو فاتحانہ اٹھانے لگے۔ جبکہ مخالفین انگوٹھوں کو نا صرف نیچے کی جانب دکھا رہے تھے ' بلکہ منہ بھی چڑاتے تھے۔

ایرا اور شاہی پھوپھو پاکستانی ٹیم کے جیسے یونیفارم میں ملبوس تھیں۔ ایرا نے اپنے لمبے سیدھے بالوں کی ٹیڑھی مانگ نکالی تھی۔ کم ڈھیلے پر سفید رنگ پھیر رکھا تھا اور زیادہ بالوں کی لمبائی کے برابر سبز چاند ستارے والی ہنس خوب ساری تھوک رکھی تھیں۔ شاہی پھوپھو نے گھنگھریالے بالوں کا بہت بڑا سنہری کھجا سر پر پہن رکھا تھا۔ جو ان کے اپنے جسم سے دگنا تھا۔ گال پر انہوں نے بھی سفید و سبز رنگ پھیر رکھا تھا۔ ایرا نے انہیں سرخ رنگ کی گلیٹر والی اتنی لمبی پلکیں لگادی تھیں جو نگاہیں اٹھانے پر بھنوؤں سے بھی اوپر چلی جاتی تھیں۔

ایرا نے بڑا خوب صورت چوڑا موٹا لمبا آئی لائنر لگا کر آنکھیں سجا رکھی تھیں۔ سرخ چمکتی لپ اسٹک ' اس نے اپنے چہرے کو خوب صورت بنانے اور واضح کرنے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی تھی۔

آفریدی کے لیے ڈھیروں بینرز اور پلے کارڈ بھی پکڑ رکھے تھے۔

کیمرہ مین جب اچھی خاصی عمر والی کسی حد تک بزرگ نظر آتی خاتون (شاہی پھوپھو) کو بار بار فوکس کرتا جو حلیے میں سب سے جدا نظر آتی تھیں۔ تب ساتھ بیٹھی بے حد حسین چہرے والی کم عمری ایرا و امتیاز کیسے نظر انداز کر دی جاتی۔ ایک کیمرہ مین کو تو اس کے علاوہ اور کچھ دکھائی ہی نہ دے رہا تھا۔ جو آفریدی کی پہلی گیند پر ہی وکٹ لے لینے پر اچھل اچھل کر بے حال ہو گئی تھی اور اب دونوں ہاتھوں سے اس کو وکٹری کا نشان دکھا رہی تھی۔

اگلی گیند خالی گئی اور اس سے اگلی پر ایک اور وکٹ۔

تماشائی پاگل ہو گئے۔ بوم بوم کے نعروں سے آسمان گونج اٹھا۔

پوری دنیا کی ٹی وی اسکرین پر اچھلتی ایرا دکھائی دے رہی تھی۔ وہ تو شاید ہوش و حواس سے جا رہی تھی۔

اگلی گیند جارحانہ تھی اور بیٹسمین کچھ نروس بھی ' اس نے مر جانے یا مار دینے والی پالیسی اپناتے ہوئے بلا ہوا میں اٹھا دیا تھا۔ گیند اتنی اوپر گئی کہ جیسے نظر آنا بھی بند ہو گئی۔

دونوں جانب کے شائقین کی توقعات بہت زیادہ تھیں۔

ایک جانب سے فیلڈر بھاگا اور دوسری طرف سے آفریدی خود۔۔۔ آسان کیچ تھا۔ مگر۔۔۔ مگر یہ کیا دونوں کھلاڑی آپس میں ٹکرا گئے۔

گیند باؤنڈری لائن کراس کر گئی۔ انڈین کراؤڈ کے شور نے گویا اسٹیڈیم کی چھتوں میں شگاف ڈال دیا۔ مگر ساتھ ہی اگلے پل ایک سناٹا ہر سو چھا گیا۔

آفریدی چت میدان میں پڑا تھا۔ بالکل ساکت۔

اور ایک ڈاکٹر بھاگا آ رہا تھا۔

نجانے کہاں کیا لگ گیا تھا جو وہ ایسے ایک دم ڈھیلا ہو کر پڑا ______ یا چلا وہ سر کے بل گرا تھا تو کیا سر میں چوٹ لگ گئی؟ مگر کیسی چوٹ کیا بہت خطرناک؟

پورے کراؤڈ کو سانپ سونگھ گیا۔

تب کیمرہ مین نے ایک بار پھر ایرا کو فوکس کیا۔

وہ اچھل اچھل کر چیخ چیخ کر اپنے صدمے کا اظہار کر رہی تھی۔ نفی میں گردن ہلا رہی تھی۔ دونوں ہاتھ سر پر مار رہی تھی۔

پھر دونوں ہاتھ دعائیہ انداز میں ہونٹوں پر رکھے

ساکت ہوگئی۔ پھر جب آفریدی کو سہارا دے کر کھڑا کردیا گیا۔ تب وہ زیرلب کچھ پڑھ پڑھ کر پھونکنے لگی۔

آفریدی نے قدم بڑھائے تو اس نے ہاتھ دل پر دھر لیے۔ آنکھیں بھیچ لیں۔ آنسو جھر جھر گالوں پر بہہ رہے تھے اور بھیگے ہونٹ مسلسل حالت ورد میں تھے۔

شدت گریہ جب آنکھوں کے آگے دھند کی چادر تان رہی' تب وہ ہاتھ کی پشت سے آنکھ رگڑ لیتی۔ ایسے میں لرزتے ہونٹ اس کے دلی جذبات کے ترجمان ہوتے۔

ساری دنیا کے ناظرین آفریدی کی چوٹ کو بھول کر... میچ کی گھمبیرتا کو فراموش کرکے

آنسو بہاتی غم سے نڈھال... ہچکیاں بھرتی ارار کو دیکھ رہے تھے۔

☼ ☼ ☼

پاکستان کی بیٹنگ آئی تو بیٹسمینز نے ''تو چل میں آیا'' کی پالیسی اپنائی۔ آتے دکھائی دیتے لیکن رکتے نہیں تھے۔ یعنی ہار یقینی... اور وہ جس پر امیدیں لگائی تھیں' وہ تو پہلے ہی چکرا کر گیا تھا۔ یعنی...

جن پہ تکیہ تھا وہی پتے ہوا دینے لگے

میچ کا نتیجہ واضح ہی تھا۔ سو پاکستانی شائقین ٹھنڈے بیٹھے تھے۔ مایوس دل گرفتہ اور انڈین شائقین پرسکون' بے فکر گاتے بجاتے۔

آفریدی آیا تو پاکستانیوں کی بخ بستہ سانسوں نے سارے اسٹیڈیم میں گرمی دوڑا دی۔ دوسری جانب انڈین تماشائیوں کے تضحیک آمیز انداز اور جملے نعرے اور سیٹیاں۔

کچھ پاکستانی بھی دل جلے تبصروں پر اتر آئے۔

''آئے ہو ابھی بیٹھو تو سہی... جانے کی باتیں جانے دو۔'' تانیں اڑنے لگیں۔

''چلی گئی جان میری' دیکھتا میں رہ گیا۔'' کسی انڈین نے گایا۔

ارار امتیاز ایک بار پھر ساری دنیا کی اسکرینز پر جلوہ گر ہوگئی۔ آنکھوں سے آنسو اتر گیا تھا اور اس نے

شاید منہ بھی دھو لیا تھا۔ دھلا دھلایا نکھرا چہرہ سرخ پپوٹوں والی آنکھیں۔

وہ زیرلب کچھ پڑھ رہی تھی۔ پھر آنکھیں موند کر جیسے آفریدی پر حصار سا باندھ دیا۔

ہیلمٹ کو بار بار درست کرتا۔ ناک چڑھاتا۔ پلکیں جھپکتا۔ خود کو وارم اپ کرتا آفریدی اٹھک بیٹھک کر رہا تھا۔

بہت بے فکر دکھائی دیتے بھارتیوں کے لیے بہرحال آفریدی کا پچ پر ہونا ایک خطرہ تھا۔ وہیں ایک بھرپور امید پاکستانیوں کے لیے بھی تھی۔

اگر آفریدی ٹک گیا تو...

سب کے ہاتھ اٹھے ہوئے تھے۔ مگر ارار کا بھولپن' بے ساختہ پن... چہرے پر پھیلی حسرت' دکھ' پریشانی سب سے جدا اور فطری نظر آئی تھی۔ اس کی جیسے جان پر بنی ہوئی تھی۔

پہلی گیند پر رن لیا گیا۔ دوسری خالی گئی۔ تیسری گیند پر رن اور آفریدی کریز پر۔

بلا اٹھا' آپ نے دیکھا۔ مگر گیند کہاں گئی' پتا ہی نہ چلا۔ یہ ہوا پہلا چھکا' پھر دوسرا بھی چھکا' اور تیسرا چھکا' اگلی گیند پر رن...

جیت کے لیے رنز کا ڈھیر تھا اور گیندیں جیسے گنتی کی۔

ہاں اگر اسی طرح سے چھکے لگائے جاتے تو... اور اس کے لیے آفریدی کا ٹکنا ضروری تھا۔ جو کسی خاص موڈ میں ہی دکھائی دے رہا تھا۔

آفریدی کو ٹکانے کی دعا ایک ضروری کام تھا۔ سو ساری قوم جت گئی۔ مگر سب کو دکھائی صرف ارار رہے رہی تھی۔

کیمرامین اور کمنٹیٹرز کے درمیان جیسے کچھ طے پا گیا۔ وہ ''دم گرل'' ''کمتار'' اسکرین پر ارار کا چہرہ جگمگا اٹھتا۔

جس کے دونوں ہاتھ دعائیہ انداز میں اٹھے تھے۔ ہلتے لب اور ہر شارٹ پر وہ خوف کے عالم میں آنکھیں بند کرلیتی۔ پھر چھکے یا چوکے کے نعروں پر ڈرتے ڈرتے آنکھیں کھولتی اور اچھلنا شروع کردیتی۔

میچ مسلسل پاکستان کے حق میں جا رہا تھا۔ اس دوران دو بیٹسمین بھی آؤٹ ہوئے۔ مگر آفریدی ہنوز پچ پر تھا۔

یہاں تک کہ بات تین گیندوں اور نو رنز پر آ کر رک گئی۔ مجمع پر ہو کا عالم تھا۔ تخت یا تختہ۔

بالر نے فیلڈرز کی گھات لگائے چیتوں کی طرح جگہیں تقسیم کر دیں۔ وہ کامیاب رہا۔ دوسرا بیٹسمین چھکے کے چکر میں آؤٹ ہو گیا۔ اب دو گیند پر نو رن رہ گئے۔

آنے والے بیٹسمین نے گیند کو دھیرے سے پیچھے کی جانب دھکیلا۔ یہ چوکا تھا، خود دوڑ رن کے لیے بھاگا۔

اب گیند کا سامنا آفریدی نے کرنا تھا اور اس نے۔۔۔

اس نے چھکا مار دیا تھا۔

یعنی کہ آفریدی چل گیا تھا۔

یعنی کہ پاکستان جیت گیا تھا۔

یعنی کہ ایراد کی دعائیں، وظیفے رنگ لے آئے تھے۔

تماشائیوں کے ہلڑ کو دکھایا جا رہا تھا۔ ایراد نے وہ جیکٹ پہن لی تھی، جس پر آفریدی کی شکل بنی ہوئی تھی۔

وہ دونوں ہاتھ کانوں پر رکھے رکوع کی سی حالت میں جھکی ہوئی وارفتہ کھولے آنکھیں میچ کر مسلسل چیخیں مار رہی تھی۔ پھر وہ سیدھی ہوئی اور اپنی اچھلتی پھوپھو کے گلے لگ گئی۔ اب دونوں پھوپھی، بھتیجی اچھل رہی تھیں۔

گراؤنڈ میں کھلاڑی بھاگ رہے تھے۔ کیمرے ٹھکا ٹھک چل رہے تھے۔

ہر چینل پر شور مچا تھا۔ نعرے ملی نغمے۔ کھلاڑیوں کے مختلف شاٹس، خوب صورت کیچز، چھکے اور چوکے۔

روڈ پر یا جشن۔ بگ اسکرینز پر دیکھتے لوگوں میں مٹھائی کی تقسیم، منچلوں نے جھنڈے اٹھا کر روڈ پر ون ویلنگ بھی شروع کر دی تھی۔ جوش و خروش سے جیت کی اطلاع دیتے نیوز اینکرز۔

اور اس کے ساتھ آفریدی کی ہر شاٹ پر ایراد کی بدلتی حالت کی تصویریں۔ اس کی چیخیں، آنسو اور دعائیں۔

کپتان نے جیت کو عید کا تحفہ قرار دیا۔

☆ ☆ ☆

دوسرے دن کے تمام ملکی و غیر ملکی اخبارات و میگزین کے کور پر آفریدی کی بڑی بڑی تصاویر شائع کی گئیں اور ایک بھی صفحہ ایسا نہ تھا جہاں آفریدی کی بڑی سی تصویر کے ساتھ۔ ایراد کی تصویر شائع نہ کی گئی ہو۔

دوران میچ اس کے مختلف پوز کو چنا گیا تھا۔ آنسو بہاتی، دعا مانگتی، آنکھیں موندے ہوئے زیر لب کچھ پڑھتی۔

بعض نے آفریدی کے فل پوسٹر کے اوپر ایراد کی چھوٹی تصویر لگائی تھی۔ چند ایک نے برابر سائز کی لگا دی۔

"مجھے یقین ہے، وہ جب ان تصاویر کو دیکھے گا۔ میچ کی ریکارڈنگ دیکھے گا تب اسے اندازہ ہوگا، وہ میرے لیے کیا ہے؟ کتنی امپورٹنس رکھتا ہے۔"

ایراد نے اس روز کا ہر ہر اخبار خرید لیا تھا۔

"تمہیں شرم نہ آئی ایسی حرکتیں کرتے ہوئے۔" بیا فون پر چیخ رہی تھی۔

"کون سی شرم کیسی؟ اپنے ملک کی جیت کے لیے کیا میں دعا نہ مانگتی۔"

"سب پتا ہے ہمیں، ملک کی جیت کی بچی۔"

"تو پھر پوچھتی کیوں ہو۔" ایراد بھی ایک ڈھیٹ تھی۔

"اب جب وہ میری ان پکچرز سے میرے دل کا حال جان لے گا۔ تب لازماً مجھ سے ملنے کی کوشش کرے گا۔ بس وہیں سے ہماری ریلیشن شپ کا آغاز ہوگا۔ جس کا انجام۔۔۔"

"تو اس کا مطلب ہے تم جان بوجھ کر یہ سب کر رہی تھیں۔ ہم تو سمجھے یہ بے اختیاری ہے مومن

بلکہ ملک سے نفرت اور جذبہ حب الوطنی ہے۔ مگر تم تو یہاں بھی گیم کر گئیں۔" نیا کی تاسف سے بھرپور آواز پر ارادہ دل سے ہنس دی۔

"وہ سب کچھ جو گراؤنڈ میں ہوا' سب کچھ غیر ارادی اور قطعاً" فطری تھا۔ یہ فائدے نقصان تو میں اب سوچ رہی ہوں۔ آئندہ کا لائحہ عمل طے کر رہی ہوں۔ قیافے اور اندازے لگا رہی ہوں۔"

"ارے اسے روز ہزاروں کے حساب سے فینز ملتے ہیں۔"

"مگر کوئی مجھ سا کہاں؟" ارادہ کا اعتماد بہت اوپر جا چکا تھا۔

آنٹی دست شناس کی پیش گوئیاں۔۔۔ اور بدلتے حالات۔

اب بھلا کیا مسئلہ ہو سکتا تھا۔ بس کچھ ہی دن بعد۔۔۔

☆ ☆ ☆

پھپھو' بھتیجی میچ دیکھنے دبئی آئی تھیں۔ گھر پہنچیں تو ارادہ ایک والہانہ استقبال کی منتظر تھی۔ اسے گلے لگایا جائے۔ پھولوں کے ہار پہنائے جائیں۔ جیسے وطن لوٹنے پر کھلاڑیوں کا کیا جاتا ہے۔ بیک گراؤنڈ میں اگر کوئی جوشیلا ملی نغمہ بھی لگایا جائے تو کیا ہی بات ہے۔

"یہ جو ابا آپ کو فون کھڑکا رہے ہیں نا۔ وہ میرے کارنامے پر مجھے سراہنا چاہتے ہیں کہ میں نے ملک و قوم کے لیے جو دعائیں کیں۔"

"ملک و قوم کے لیے دعا۔۔۔ یا اپنے لیے دوا۔۔۔ جیسے میں تم کو جانتی نہیں۔"

"اوہو۔۔۔" ارادہ کھلکھلائی۔

گھر پہنچے تو امتیاز صاحب سامنے لاؤنج ہی میں مل گئے۔ ممی بھی سادگی میں لپٹی صوفے میں دھنسی ہوئی تھیں۔ ارادہ کے بے حد گرم جوش سلام دعا پر ایک سرد مہری سی شاہی کو فوراً" محسوس ہوئی۔ ارادہ پہلے باپ سے لپٹ گئی اور پھر ماں کے گلے میں بازو حمائل کر کے لپٹ گئی۔

سینٹرل ٹیبل پر اخبارات کے پلندے تھے۔

اس سے پہلے کہ ارادہ اچک کر انہیں کھولتی اور کہتی۔

"ڈیڈی! آپ نے میری پکچرز دیکھیں؟" وہ خود ہی اخبار اٹھانے کو جھک گئے۔ ارادہ نے آنکھیں نچا کر اشارے سے شاہی پھوپھو کو دیکھا۔

بھابھی کڑے تیوروں سے شاہی کو گھور رہی تھیں۔ شاہی نے بمشکل ارادہ کی مسکراہٹ کا جواب مسکراہٹ سے دیا۔ ساتھ ہی ذرا تنک کر رہنے کا اشارہ۔ ارادہ نفی میں انکار کرنا چاہتی تھی۔ مگر یک دم اس کے چہرے پر سراسیمگی پھیل گئی اور وہ ساکت ہو گئی۔ امتیاز صاحب نے اخبار کا پلندہ سا شاہی کی جانب اچھال دیا۔ ایک چہرے سے ٹکرایا۔ کچھ گود میں گرے۔ باقی پیروں سے ٹکرا کر زمین پر۔۔۔ اور ٹاپ والے پر ہی شاہی کی کرلنگ بالوں والی تصویر تھی۔

"یہ کیا ہے۔"

"یہ۔۔۔ یہ۔۔۔" شاہی نے شدید گھبراہٹ میں مبتلا ہو کر اخبار سمیٹنے شروع کر دیے۔ جیسے یہی کام کرنے کو کہا گیا ہو۔

"یہ۔۔۔ ارادہ' وہ میچ میں۔۔۔"

"وہ بچی ہے۔ میں تم سے پوچھ رہا ہوں' یہ کیا ہے۔" بھائی نے ذرا سا جھک کر اپنی شہادت کی انگلی اخبار پر تک تک بجائی' جہاں شاہی کی ایک اور تصویر تھی۔

دونوں ہاتھ اوپر کر کے وکٹری کا نشان۔۔۔ نیم وا ہونٹوں سے پتا لگتا تھا وہ ہوٹنگ بھی کر رہی تھی۔

"وہ یہ سب ارادہ نے کہا تو۔۔۔"

"ارادہ بچی ہے شاہ جہاں۔" بھابھی اٹھ کر آ گئیں۔ "تمہاری عقل کہاں گئی تھی۔ خود کہو تم جچ رہی ہو یہ سب کرتے ہوئے۔"

"میں نے کہا تھا اس سے۔۔۔ یہ مانی نہیں۔" شاہی نے تھوک نگلا۔ "آپ جانتے ہیں۔ میں اسے انکار نہیں کر پاتی اس کی ضد۔۔۔"

"بچے ضدیں کرتے ہی ہیں۔ بڑے عقل استعمال کرتے

ہیں۔" بھائی نے لفظ لفظ پر زور دیا۔

"ہاں... مگر..."

"سوری ڈیڈی... یہ سب میری وجہ سے... پھوپھو بالکل نہیں ملن رہی تھیں۔" میں نے کہا۔ "مغربی ممالک میں چھوٹا' بڑا' جوان' بوڑھا سب تھیم کو کِک اپ کرتے جاتے ہیں۔ سو وہ بھی... کچھ ڈفرنٹ تھیں۔" ابراد تیزی سے اٹھ کر ماں' باپ کے بیچ آکھڑی ہوئی۔

"تم بیچ میں مت بولو۔" ڈیڈی نے ہاتھ اٹھایا اور ایسی قطعیت' ابراد نے کب جھیلی تھی۔ فقط لہجے کی سختی پر اس کا دل بند ہو گیا۔ بولنے کی کوشش میں گلا رندھ گیا۔ ممی کے "تم جاؤ" والے اشارے پر جیسے جنبش کی سکت بھی نہ رہی۔

"پیدا کرنے والی ماں کی کوئی حیثیت نہیں۔ پھوپھی کو چھوٹی سے عشق ہے۔ بڑی کو پھوپھی سے عشق ہے۔ اکلوتے بیٹے کو گوری سے عشق ہو گیا۔ ادھر ہم ماں باپ تو کرسی کو لے اکیلے بیٹھے ہیں۔"

ممی نے داستان کا رخ ہی بدل دیا۔

"یہ سب آپ پھوپھو کو کیوں کہہ رہی ہیں۔" ابراد نے رندھی ہوئی آواز میں منمنائی۔ "انہوں نے کیا کیا ہے؟"

"تو پھر کس سے کہوں... کس سے پوچھوں... ادھر وہ آنہ بھی تو ہی کہہ رہی ہے۔ پھوپھو کو کچھ نہ کہیں۔ پھوپھو نے کچھ نہیں کیا۔ ساتھ ہی کہتی ہے پھوپھو کی زندگی سامنے تھی۔ پتا نہیں میں نے مردوں کے حوالے سے اپنی رائے کیوں بدلی۔ جبکہ مجھے شروع سے پتا ہی تھا۔ یہ عورتوں کو بے وقوف بنانے کے لیے دھوکا دینے کے لیے دنیا میں بھیجے گئے ہیں۔ مگر نہیں... قسمت خراب تھی جو باتوں میں آگئی۔" ممی رٹو طوطے کی طرح شروع ہو گئی تھیں۔

"آنہ... پھوپھو اور ابراد بری طرح چونکیں۔

"اس کا کیا ذکر... اس نے یہ سب کیوں کہا۔ کیا ہوا ہے؟"

"وہ ایسی باتیں کیوں کر رہی ہے۔" شاہ جہاں کھڑی ہو گئیں۔

"ہمیں کیا پتا' کیوں کر رہی ہے۔ بیٹھی ہے اندر پوچھو جا کر' تم ہی کو بتائے شاید... ہمیں کیوں بتائے گی۔ ہم تو صرف پیدا کرنے کے گناہ گار ہیں۔ پالا پوسا تو تم نے ہے نا۔" غصے میں ممی کے منہ سے جھاگ نکل رہا تھا۔

"آنہ اوہ... وہ تو ادھر پاکستان میں تھی نا..."

"ہاں... تھی یہاں پاکستان..." امتیاز صاحب نے بہن کو گھورا۔ "کل شام ہی پہنچی ہے۔ روٹھ کر' خفا ہو کر۔" شاہ جہاں کا ہاتھ دل پر جا رکا۔

"مثالیں... حکایتیں ایسی ہی تو نہیں بنتیں۔ پھپھی' بھتیجی ایک بات..."

ممی نے جو کاٹو شاہی کو لگا یا تھا۔ پھر سر پکڑ کر بھی بیٹھ گئیں۔

☼ ☼ ☼

"مرد عورت کے کسی بھی ہنر کو ماننے کو تیار ہی نہیں۔ بلکہ تسلیم ہی نہیں کرتا۔ نہ ہنر کو' نہ عقل کو بلکہ عورت کو بھی..." آنہ کا لہجہ رونے سے بھاری تھا مگر تلخی ہنوز تھی۔ وہ بات روک کر ہتھیلیوں سے بہتے آنسوؤں کو بھی صاف کرتی تھی۔

"آنہ! ہوا کیا ہے۔" شاہی پھوپھو جواب کے لیے بے تاب تھیں۔ ادھر تمہید ہی ختم نہیں ہو رہی تھی۔

"آپ کی ساری زندگی میرے سامنے تھی۔ پھر بھی پتا نہیں میں کیسے بے وقوف بن گئی۔ سارے تحفظات ذہن سے نکل گئے... باتوں کا جادو چلا دیا تھا۔ آج ملاقات... کل شادی... ایسے بھی کوئی کرتا ہے۔" آنہ خود پر متاسف تھی۔ "تھوڑا وقت لیتی۔ وہ مجھے جانتا' میں اسے سمجھ لیتی۔ لوگ مٹی کا برتن لیتے ہوئے بھی ٹھوک بجا لیتے ہیں۔ میں نے آخر کیا کیا۔

نجانے کیا منتر پڑھ کر پھونک دیا تھا اس نے۔ میری جیسی عقل مند' پڑھی لکھی' ہنر مند لڑکی' اُف۔"

"منتر نہیں آنہ... محبت' جو وہ تم سے بے حد و بے حساب کرتا ہے اور اب خدا کے لیے بتا دو۔ معاملہ کیا ہے جو تم ایسے ایک دم اچانک اتنا بڑا فیصلہ کر کے...

تک کتنا یہاں ڈی چلی آئیں اور وہ سمجھے وہ تمہارے
ایموشنز...."

"وہ تو میٹ چینج ہو رہا ہے نا شو کا۔ تو پچھلے سال کا
سیٹ دیک و کھایا جا رہا ہے۔" ایراو نے آنزہ کی آج
تک کی فراغت کا جواب۔ بیچارے سے دولہا بھائی نے آخر
جدا کر دیا تھا۔

"اور آتی کیا..." شاہی پھوپھو کے چہرے پر
طمانیت پھیلی۔ ایسی اچانک غیر حاضری کتنے بڑے
اسکینڈل کو جنم دے دیتی۔

"اس نے کہا کیا؟" پھوپھو نے دونوں ہاتھ جوڑ
دیے۔ آنزہ نے دونوں کو باری باری دیکھا۔

"اس نے۔" ہچکی بھری۔ "اس نے کہا کس بات
کی کوکنگ شو ایکسپرٹ بنی ہوں۔ جب مجھے کسی بیمار
کے لیے کھچڑی بنانا نہیں آتی۔ میں آلو گوشت نہیں
پکا سکتی میں دلیہ تک نہیں بنا سکتی اور...."

"کھچڑی اور دلیہ... انہوں نے یہ بچوں والی
خوراک کیوں کھانی تھی۔" ہیرا کی حیرت۔

"اسے ایک ہفتے سے بخار تھا۔ اس نے چکن والا
دلیہ مانگا۔ میں نے اتنا اچھا اسپائسی گرم مسالے اور
بگھار لگا کر بنا کر دیا اور.... اور اس نے اسے پھینک دیا
اور اتنا اونچا اونچا بولا کہ نیچے سیڑھیوں تک آوازیں
جانے لگیں۔"

"آوازیں کیوں... بول تو وہ رہا تھا آواز کہو۔"

"تو کیا میں منہ سی کر رکھتی 'جواب نہ دیتی۔" وہ
چمک کر بولی۔

"تم نے اتنی سی بات پر گھر چھوڑ دیا آنزہ... اتنی
معمولی بات..."

"یہ معمولی بات ہے پھوپھو... میرا کیریر... اگر کوئی
سنتا کہ آنزہ امتیاز کو کنگ ایکسپرٹ کامیاں ہی اس کے
سارے ہنر کو اس طرح ڈی گریڈ کر رہا ہے تو... میرا
کیریر تو ختم ہو جاتا نا۔ اس نے مجھ سے شادی ہی اس
لیے کی تھی کہ میں اسے پکا پکا کر کھلاتی جاؤں۔" وہ حد
درجہ بدگمان تھی۔

"وہ تو آخری پل تک نہیں جانتے تھے کہ آپ
دراصل ہیں کون۔" ایراو کے منہ سے نکلا۔

"تم مرد کی چال بازیوں کو نہیں سمجھ سکتیں۔ کہہ دیا
ہے میں نے اسے ڈھونڈے اپنے لیے کوئی آلو گوشت
اور کھچڑیاں بنانے والی خانساماں... مائی گاڈ جس طرح
وہ اونچا بول رہا تھا۔ اگر جو کوئی سن لیتا' میرا کتنا مذاق
بنتا۔ دنیا کیا کیا باتیں نہ بناتی۔"

آنزہ نے جھرجھری لی' ساتھ ہی لہجے میں طمانیت
از آئی کہ اچھی کر کے آگئی۔ وہ عاشر کے ساتھ۔ یاد
رکھے گا۔ اسے مار اس نے طعنے ہونہہ۔

"تو تمہارا کیا خیال ہے گھر لوٹنے پر دنیا کوئی باتیں
نہیں کرے گی۔ شوبز کی لڑکیاں تو ویسے بھی بدنام ہیں'
اور تم ایک معمولی سی بات پر..." شاہی پھوپھو نے
تیزی سے کہا اور یک دم جملہ ادھورا چھوڑ کر دونوں
ہاتھوں میں منہ چھپا کر پھوٹ پھوٹ کر رو پڑیں۔

ایراو اور آنزہ تیزی سے دائیں بائیں چپک گئیں تو
شاہی نے خود کو بجلی کی سی تیزی سے جھٹکا دے کر جیسے
انہیں دور کرنے کی کوشش کی۔

"عورت بے قصور ہو یا قصوروار اسے ہر حال
میں سرنڈر کرنا ہی ہوتا ہے اور تم تو چلو خوش قسمت ہو
کہ شوہر نے ایک کوتاہی کی بنا کر ناراضی کا اظہار کیا
اور یہ بھی خوش قسمتی ہے کہ تم اپنے لیے اسٹینڈ لے
سکتی ہو اور ڈٹ سکتی ہو۔ ورنہ مجھے تو آج تک یہ نہیں
معلوم کہ کس کوتاہی اور کمی کی بنا پر جواد کے دل پر چڑھ
ہی نہ سکی۔ جیسے آج تم خود کو مکمل بے عیب سمجھتی
ہو۔ میں بھی تم سی ہی تھی۔ عاشر کو آلو گوشت اور
کھچڑی دلیہ پسند نہیں آیا تم سیکھ سکتی ہو۔

جواد کو سب سے پہلے میرا نام ہی پسند نہ آیا۔ شاہ
جہاں' مردانہ نام ہے۔ میں ان سے عمر میں بہت چھوٹی
تھی۔ خالہ (ساس) سب کو یہ بات فخر سے بتاتیں' نام
کے بعد اگلا اعتراض عمر پر کر دیا۔ پہلے میں انہیں شوخ
و شنگ' بے دھڑک بولنے والی' کم عقل لگی۔ پھر جب
اس کا الٹ ہو کر جینے لگی۔ تب کم علم' کم عقل کہہ کر جھڑکنے
لگا تے۔ جب ترنت جواب دیا تو منہ پھٹ ہو گئی۔ الگ
کرنہ راؤ سے بولنا سیکھا تو کسی کے آگے بول نہیں

سکتی' نہ جواب دیا جاتی تھی' دلو کم عقل ہے۔

اور یہ شکایتیں۔ بلکہ شکایتیں بھی کی۔ چھوڑو یہ پریشانی جب اماں سے شیئر کی تو بولیں۔ اچھی بیٹیاں گھر بسانے کی کوشش کرتی ہیں۔ مگر کیسے کرتی ہیں؟ یہ نہ بتایا۔ بھابھیاں مذاق اڑانے لگیں 'میں آج کیا پک رہا ہے' جیسا سوال کرنے کے لیے منہ کھولتی۔ بھابھیاں۔۔۔ بھائی یک زبان بولتے لو جی کوئی اور شکایت یاد آگئی کوئی اور گلہ۔

وہ جواد کو غلط مان ہی نہیں سکتے تھے' اتنا بڑا بزنس مین۔۔۔ اسے پاکستان میں اپنے کام کو اسٹیبلش کرنے کے لیے ابا کا تجربہ درکار تھا اور ابا کے لیے وہ بیرون ملک تجارت کاروبار کے لیے راستہ۔ دونوں اپنے اپنے مفاد حاصل کر لیتے۔ مگر خالہ کو میں اچھی لگ گئی۔ سچ بات ہے 'ہمارا کوئی جوڑ نہیں تھا۔ وہ عمر میں بڑے' اتنے سارا پڑھے ہوئے آدمی۔۔۔ (رونے اور ہچکیاں لینے میں مزید شدت آگئی۔)

وہ امتیاز بھائی اور حسنین بھائی سے بھی بڑے تھے۔ ان کا رعب بھی بڑا تھا۔ میں نئے رشتے سے شرمسار رہتی 'خالہ جان۔۔۔ خالہ زندہ تھیں تو مجھے کوئی مسئلہ نہیں تھا۔ وہ ہر شے کو ٹھیک ہی رکھتیں۔ ہمارے درمیان پل تھیں' جس پر چل کر ہم ایک دوسرے تک آتے تھے۔ انہیں اپنی امریکی کلاس فیلو لینڈا' تھی' جو خالہ کو کسی بھی حال میں قابل قبول نہ تھی۔ وہ عیسائی تھی۔ خالہ اسے امریکی سفید بندریا کہتی تھیں' اسکرٹ سے جھانکتی لمبی ٹانگیں اور سنہرے بالوں سے گھن آتی تھی۔ مگر کیا کیجیے کہ وہ جواد کی پسند تھی اور خالہ پسند کی راہ میں حائل رکاوٹ۔ جب رکاوٹ دور ہو گئی تو راہیں بھی کھل گئیں۔

خالہ نے اور اماں نے اور بھابھیوں نے بھی کہا تھا۔ نمک مرچ سے درست کھانے پر اختیار کرتی عورت مرد کا دل جیت لیتی ہے۔ اسے مائل کر لیتی ہے اپنی جانب۔ اور قائل کر لیتی ہے اپنے لیے مگر میرے تجربے نے بتایا' مرد بے حس ہو تو پھر عورت نہ قائل کر پاتی ہے نہ گھائل۔

"تم یہ کیا اپنے پالک گوشت اور دال چاول کا ملغوبہ سا سجا کر رکھ دیتی ہو۔ میں ایسے کھانے نہیں کھاتا۔" وہ عجیب نظروں سے مجھے اور میرے دسترخوان کو دیکھتے' کس مشاقی سے چاپ اسٹک کا استعمال کرتے تھے۔

"اسے چاپ اسٹک کہتے ہیں' کہیں تم اپنی اماں کو فون کر کے کہو کہ جواد ڈنڈیوں سے کھانا کھاتا ہے' چمچ کے بجائے۔۔۔" پھر ہنس دیتے۔

میں کہہ نہ پائی کہ کراچی میں کھلنے والے جاپانی ریسٹورنٹ کی پہلی اور پھر مستقل گاہک میں ہی تھی۔

"وہ عورت اب گھر آ کر گھنٹوں بیٹھی رہتی ہے اماں!" میں نے فون کھڑکایا۔ "دفتر میں راستے میں بھی ساتھ ہوتی ہے اور دل میں تو ہے ہی۔"

"تو تم نے کیوں نہ جگہ بنائی اب تک۔ تم کرتی کیا ہو' ایک بچہ بھی نہ ہوا کہ۔" "سب کچھ جانتے بوجھتے بھی اماں کا طعنہ دل چھلنی کر گیا۔ میں نے کہا۔

"بھلے سے امریکہ جیسے ترقی یافتہ ملک میں رہتی ہوں اماں۔۔۔ مگر بچہ یہاں کے بازاروں سے نہیں ملتا۔"

"اور اس روز مجھے سمجھانے کی اس مہم میں ابا پیش پیش تھے۔ میرا جملہ ان کی سماعتوں سے ٹکرایا تو بولے کہ انہیں نہیں پتا تھا میری زبان اتنی لمبی ہے اور جواد جیسا باوقار' سمجھ دار شخص ہے۔ سارا قصور میرا ہی ہوگا' لڑکیاں خواب دیکھتی ہیں ایسے شوہر اور زندگی کے۔"

پھر وہ بچہ۔۔۔ پتا نہیں کیسے آگیا۔ میں خوش زیادہ تھی یا حیران زیادہ۔۔۔ پتا نہیں چلا۔ مگر پھر پریشان ہو گئی' جب انہوں نے اسے نامنظور کر دیا۔ میں نے اس بار رو' رو کر اماں' ابا کو فون لگایا تو وہ پہلی بار میرے ہم نوا ہو گئے۔ میں بچی لگی انہیں۔ بھائی خوش تھے' مضبوط رشتہ۔۔۔ مضبوط ترین ہونے جا رہا تھا۔ مشترکہ بزنس کتنی کامیابی سے بڑھ رہا تھا۔

مگر اگلا روز۔۔۔

"جب وہ راضی نہیں ہے۔۔۔ ابھی فی الوقت نہیں چاہتا تو تم۔۔۔ بھی منہ پھاڑ کر کیا کہیں۔۔۔ بیوی کو میاں کی مرضی پر ہی چلنا چاہیے۔ یہی سنتے سمجھتے آئے

ہیں۔" بھائی کہہ رہے تھے۔

"ہاں شاہی! تمہیں کیا پڑی ہے ابھی اکیسویں برس میں لگی ہو۔ انجوائے کرو لائف۔ بلکہ وہ جو تم کالج میں داخلہ لے رہی تھیں وہ لو۔ امریکہ میں رہ کر جیسی جیسی رشیداں والی سوچ۔ چچ چچ چچ۔"

بھابھیوں کے اپنے انداز تھے۔ کوئی نہیں چاہتا تھا جواد کی خفگی کا ذرا سا بھی سامان ہو۔

اور میں جو ہر چھوٹے بڑے معاملے پر ان سب کی رائے لیتی تھی۔ جو کہہ دیتے "آمنا صدقنا" کہتی تھی۔ پہلی بار انکاری ہوگئی۔

ادھر سب لوگ حیران تھے۔ تو جواد بھی ششدر رہ گئے۔

اور انہیں تو جیسے ایسے ہی کسی موقع کی تلاش تھی۔ بیٹے کی پیدائش کی اطلاع جب بھائی نے دی تب لمحہ بھر کے سکوت کے بعد وہ اس ٹینڈر کا پوچھنے لگے۔ جس کا ملنا بہت اہم تھا۔

ابا نے ایک بار اس موضوع پر بات کرنے کی کوشش کی تو بولے۔

"کاروباری گفتگو میں گھریلو باتیں اچھی نہیں لگتیں۔"

اور ابا نے بلکہ کسی نے بھی پلٹ کر نہ پوچھا کہ کیوں۔ ہاں سب مجھے مورد الزام ٹھہراتے تھے۔ گھر والے' باہر والے' ایک دنیا۔ گھر اجڑ جائے تو قصوروار عورت ہی ہوتی ہے۔

آج تم لوگوں کا اپنے ابا کے سامنے بحث کرنا' دلائل دینا دیکھتی ہوں تو حیران ہوتی ہوں۔ میں لب کھولتی تھی تو ابا ہاتھ اٹھا کر منہ سے کچھ کہے بنا "خاموش.... ش ش ش...." کا ایسا تاثر دیتے کہ دنوں بازگشت ہوتی رہتی۔

بھائیوں کے پاس گئی۔ انہوں نے کہا۔

"ایسے ہی سوال و جواب جواد کے آگے بھی کرتی ہوگی۔"

"ہاں جب ہی تو۔" بھابھیاں تائید کرتیں۔

اور دس سال بعد جب وہ شاہ میر سے ملنے آئے ہمیں لینے۔" وہ استہزائیہ ہنسیں۔ آنسو خشک ہو چکے تھے۔ سامعین کے بہہ رہے تھے البتہ۔

☆ ☆ ☆

آگے کی کہانی آمنہ کو یاد تھی۔ اسے اتنے پڑھے لکھے پھوپھا پسند آئے تھے۔ سارا گھر خوش تھا' تجدید تعلق۔ اب پھوپھو اور شاہ میر اپنے گھر چلے جائیں گے پھوپھا۔ شاہی پھوپھو سے کم گفتگو کرتے تھے۔ ہاں سب گھر والوں سے بڑا خوش گوار ملنسار رویہ۔ نئے کاروباری تقاضوں کے حوالے سے سیر حاصل گفتگو۔ ایک جوش و خروش تبدیلی۔ وہ ہر ایک کے لیے تحفے تحائف لائے تھے۔ سب خوش تھے۔ بالخصوص شاہ میر۔ وہ تو اپنے پاپا سے یوں گھلا جیسے ان ہی کے ساتھ رہتا ہو۔ وہی' ساتھ' کوئی اجنبیت نہیں۔ گھنٹوں باتیں کرتے گھومتے پھرتے' وہ پھوپھو کی اجازت سے شاہ میر کو اپنا آبائی گھر بھی دکھانے تین دن کے لیے لے گئے۔ اندرون سندھ شکار پر بھی ہنٹنگ کے لیے بھی۔

سب نے سن رکھا تھا۔ پھوپھو کے آنے کے بعد پھوپھا نے اپنی اسی دوست سے شادی کرلی تھی۔ آمنہ نے ماں کو یہ کہتے بھی سنا کہ اس عورت کے اولاد نہیں ہوئی۔ جب ہی شاہ میر پیار آگیا ورنہ اپنی خون کب ایک کھونٹے سے بندھا رہتا ہے۔ بھاگ گئی ہوگی اور خالہ زاد ہے شاہ جمال.... جواد کو لوٹنا تو تھا ہی.... پھوپھا شاپنگ پر بھی لے کر جاتے۔ شاہی پھوپھو کو بھی لے گئے۔ کسی نئے پروجیکٹ کے لیے پورٹ قاسم کے علاقے جاتے تو شاہ میر تین تین دن کے لیے باپ کے ساتھ چلا جاتا اور واپسی پر بے انتہا خوش ہوتا۔ ایک ایک کو وہاں گزارے پل پل کی خبریں سناتا۔ پاپا کی تعریفیں الگ۔

اور ایسے ہی ایک وزٹ سے واپسی جب مقررہ وقت سے گزر گئی اور باپ بیٹا نہ لوٹے.... تب اس نے سویرے خیال سوچے تکرار ایک نہیں جو ظہور پذیر ہوا تھا۔ باپ' بیٹا امریکہ جا چکے تھے۔

سو فون کالز کے بعد جواد کا خشک' روکھا' دوٹوک لہجہ

گھر والوں کے لیے اجنبی تھا' شاہی کے لیے نہیں۔

"ہاں۔ وہ میرا بیٹا تھا اور میں اسے اپنے ساتھ لے گیا برائے مہربانی اس معاملے کو یہیں ختم کر دیں۔ ورنہ عمریں گزر جائیں گی۔ پیشیاں بھگتتے بھگتتے اور یہاں کسی کے اندر پیشیاں بھگتنے' مقدمے کرنے کی ہمت نہیں تھی۔ وقت نہیں تھا۔ لیکن اگر شاہی نے۔ وہ اتنی آسانی سے ٹھنڈی ہو کر کیوں بیٹھے گی۔ اتنا بڑا دھوکا' جان بند بھی اس کی بیٹے میں۔

اور شاہی پھوپھو کا چہرہ اس وقت ایک ایسی لاش کا تھا' جس کے جسم سے خون نچوڑ کر سفید کی رگوں میں انجکشٹ کر دی گئی ہو۔ برفیلے عجائب گھر کے مجسموں کے جسموں میں بھی بنانے والوں کے ہاتھوں کی گرمی ہوتی ہے۔ شاہی اس سے بھی ٹھنڈی۔

اور ابا کے جملوں نے سب کو حیران کر دیا۔ انہیں پہلی بار اپنے اردگرد سچائی رقص کرتی محسوس ہوئی۔ (جتائی ہنستی' منہ چڑاتی سچائی۔)

"میں کیس کروں گا جواد پہ۔ اس کی اتنی ہمت' اس نے۔ اس نے..... ایسے کیسے آسانی سے وہ۔"

باپ کے ورنگ لہجے' اٹل ارادے نے دونوں بیٹوں کی رگوں میں بھی لہو کو گرمایا۔ "ہاں ایسے کیسے۔" تب شاہی کے ٹھنڈے ٹھار لہجے نے سب کو حیران و پریشان کر دیا۔

"میں ایسا کچھ نہیں کروں گی بلکہ کوئی کچھ بھی نہیں کرے گا۔"

"مگر کیوں؟ شاہی ایسا کیسے کہہ سکتی ہے۔ اس کا دماغ تو نہیں چل گیا۔"

"جواد سے ایسی وعدہ خلافی' دھوکا بازی' حیرانی کی بات نہیں' ناراضی کی بھی نہیں۔ وہ ایسا ہی تھا' بزدل شخص۔ ماں کے آگے اسٹینڈ لے کر اپنی من پسند عورت نہ اپنا سکا اور میری زندگی خوار کی اور اتنا ہی بزدل تھا کہ وہ ایسے چور راستے سے آنکھوں میں دھول جھونک کر اپنے بیٹے کو لے کر جاتا۔"

"ہاں تو اسی بات کی تو اسے سزا دلوائیں گے' جواب طلبی کریں گے۔"

"میں نے کہا' ہم کچھ بھی نہیں کریں گے۔ وہ ایسا ہی منصوبہ ساز تھا۔ اس پہ مقدمہ کروں تو جیت بھی جاؤں۔ مگر میں جیتنا چاہتی ہی نہیں۔ وہ جعل ساز تھا۔ دھوکے باز۔ مگر۔" شاہی کی آواز پہلی بار بھرائی۔

"میرے بیٹے کو کیا ہوا۔ اس نے اپنی ماں کے ساتھ اتنا بڑا فراڈ کیسے کیا۔ ایسے ایک دم تو ملک سے باہر نہیں چلے جاتے۔ بہت سے مراحل ہوتے ہیں۔ وہ سب سے گزرا اور ماں کو بتایا تک نہیں۔ آخری پل تک۔ جب نکل رہا تھا گھر سے' میں نے بال سنوارے' تب بھی منہ بولا۔ جلدی میں گلے ملنا بھول گیا اور یہی بھی نہیں دی۔ میں نے پکارا اسے تب بھی کچھ کہنا یاد نہ رہا۔ اور جب گاڑی میں بیٹھ کر جا رہا تھا اور میں گاڑی سے اڑتی دھول تک کو ہاتھ ہلا ہلا کر خدا حافظ کہتی رہی' تب اوجھل ہوتے ہوئے بھی نہ بولا کہ ماں آخری ملاقات ہے۔ جی بھر کے گلے لگا لیں یا ایک بھی اور لے لیں۔

دفنانے سے پہلے چہرہ دکھا دینے کی رسم ہوتی ہے۔ مجھے مار کے جا رہا تھا۔ دنیاداری ہی نبھا لیتا۔ مجھے کسی پہ مقدمہ نہیں کرنا۔ چلا گیا۔ چلو جہاں رہے' خوش رہے۔"

اور اس دن کے بعد کسی نے پھوپھو کے منہ سے جواد کا نام تک نہ سنا۔ شاہ میر کا تذکرہ نہ ہوا۔

☼ ☼ ☼

"اس سب کے باوجود میں مردوں کو برا نہیں کہتی۔ بھابھیاں ایسے ہی بدگمان ہوئی ہیں اور پھر اس نے سب رابطے منقطع کر دیے۔ بھائیوں کو کاروباری حوالے سے دھچکا لگا۔

میں مردوں کو برا نہیں کہتی' لیکن مجھے اب کوئی یاد نہیں آتا۔

دنیا میں کچھ مرد۔۔۔ مرد مومن بن کر آتے ہیں تو کچھ مردود بن کے۔ نیکی اور بدی۔ ساتھ ساتھ چلتی ہے آرزو! تم صرف آلو گوشت کے لیے گھر چھوڑ کر آگئیں؟"

اپنا رونا رو لینے کے بعد پھوپھو ایک دم پھر سے بہادر بن گئیں۔ جیسے ماضی پر لعنت بھیج دی ہو۔

"اس نے مجھے روکا بھی نہیں پھوپھو۔" آئرہ کو نیا دکھ یاد آیا۔

"اس نے جانے کو کہا تھا کیا۔" پھوپھو نے پوچھا۔ آئرہ نے ناک سکوڑتے ہوئے نفی میں گردن ہلائی۔

"اسے بخار تھا نا۔ ڈاکٹر نے ٹھنڈی پٹیاں رکھنے کو کہا۔ پھر نہا لینے کا کہہ دیا۔ بخار پھر بھی کم نہ ہوا۔ دراصل وہ کچھا پہن کر لیٹا ہوا تھا نا۔ میرا مطلب ہے۔ "دراصل ہم تو برمودا یا شارٹ کہتے ہیں۔ مگر یہ دونوں بھائی اسے کچھا کہہ رہے تھے۔ اس سب میرے منہ پر بھی چڑھ گیا۔"

رنجیدہ روتے دھوتے ماحول میں شرمسار آئرہ کے منہ سے نکلنے والے جملے نے پھوپھو اور ایراد کے ہوش اڑا دیے۔ پھر جب معنی و تشریح کی گہرائی میں کودیں اور پھر وقت ابھریں۔ تب ہنستے ہنستے مرنے کو ہو گئیں۔

"ہائے اللہ مر گئے۔"

خجل آئرہ دونوں کو دیکھتی رہی۔ ہنسی تھمی تو پوچھا۔

"اب میں اسے کیسے مناؤں گی پھوپھو؟ وہ مان تو جائے گا نا اور کیا آپ مجھے کھچڑی اور وہ بیماروں والا چکن کا دلیہ بنانا سکھا دیں گی؟"

☼ ☼ ☼

دبئی سے واپسی پر.....

ایراد کا تو خیال تھا کہ شام تک آفریدی بنفس نفیس خود آ جائے گا۔ مگر ایک چھوڑ کتنی شامیں گزر گئیں نہ وہ آیا' نہ اس کی کال آئی۔ یہاں تک کہ وہ اور شاہی پھوپھو کراچی لوٹ آئیں۔

زندگی اچانک کتنی اداس اور بے رنگ ہو گئی تھی۔ وہ ہر روز اپنا فیس بک اکاؤنٹ چیک کرتی۔ شاید شاہد آفریدی نے اسے جوائن کیا ہو۔

راہ چلتے بہت سے لوگوں نے پہچان لیا' پکار لیا۔ نہیں آیا اور نہیں بلایا تو اس بے درد نے زندگی جس کے تصور میں سے حق با۔

لیکن آنٹی رست شناس نے کہا تو غلط تو نہیں کہا ہو گا نا۔ سوچ سوچ کر سر دکھ گیا۔

"مجھے ان کو کال کر کے ان سے آگے کے بارے میں پوچھنا چاہیے۔" ایک فیصلے پر پہنچ کر وہ مطمئن ہو گئی۔

اگلے روز شاہی پھوپھو کے پیچھے پڑ گئی اور چہرے پر جو امید اور مایوسی کا ملا جلا تاثر تھا وہ پھوپھو کو مجبور کر گیا۔ دونوں نینی کے گھر پہنچ گئیں۔

آنٹی ایراد کو دیکھ کر ایسے خوش ہوئیں جیسے برسوں کے دو بچھڑے کی ملن گھڑی ہو۔

دونوں ہاتھوں کو دائیں بائیں پھیلا کر ایراد کو ویل کم کیا۔

"میں نے کہا تھا نا تم سے ایک وقت آئے گا جب تم آفریدی کے نام سے اور آفریدی تمہارے نام سے پہچانا جائے گا۔ یعنی دونوں کا نام ساتھ ساتھ لیا جائے گا۔ اس میچ کے بعد تم تاریخ کا حصہ بن گئیں۔ تم دونوں ایک مضبوط رشتے میں بندھ گئے ایراد!"

ان کا لہجہ خوشی سے معمور تھا۔

"رشتہ۔" ایراد نے ہونق پن سے پھوپھو کی صورت دیکھی۔

دونوں پھپھی' بھتیجی کے منہ سے ایک ساتھ نکلا۔

"کون سا رشتہ؟"

"ایک فنکار اور پرستار کا رشتہ۔ ایک پاکیزہ اور انمول رشتہ۔ ایک ایسا رشتہ جس پر کوئی حد نہیں لگتی۔ جسے ہر معاشرے میں عزت اور محبت ملتی ہے۔ قدر کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے۔ لوگ جب جب آفریدی کی اس شاندار اننگ کو یاد کریں گے تم لامحالہ یاد آؤ گی۔ تمہارے ذکر کے بغیر اس فتح کا ذکر ادھورا رہے گا۔ دراصل یہ رشتہ۔"

"کیا رشتہ۔ کیسا رشتہ۔" ایراد کی آواز پھٹ جانے کو ہو گئی۔ "مجھے نہیں چاہیے ایسا رشتہ۔ مجھے تو۔" وہ شدت غم سے مزید بول نہ سکی۔ آنٹی نے اچنبھے سے اس کی غم زدہ صورت دیکھی۔

"یہ رشتہ نہیں۔ تو کون سا رشتہ..... کیسی شہرت'

تم چاہتی کیا تھیں؟"

"میں نے کیا چاہنا ہے۔" ابرار اپنے ہاتھ چھڑا کر صوفے پر دھپ سے بیٹھی۔ "وہ تو میرا آئیڈیل تھا۔ مجھے شادی کرنا تھی اس سے۔"

"مگر اس روز تو تم کچھ اور ہی پوچھ رہی تھیں۔"

آپی کو وہ دن من عن یاد تھا۔

"تو کیا دوستوں' بدتمیزوں کے سامنے منہ پھاڑ کر کہہ دیتی کہ..." اس نے ہائے کہہ کر سر پکڑا۔

"تو اب بھی تو کہہ دیا نا۔" پھوپھو کا صدمہ جا تا ہی نا تھا۔ دل کے حال کی تو انہیں بھی خبر نہ تھی۔

☼ ☼ ☼

شاہی پھوپھو گیلری میں کھڑی نیچے سے گزرتی ٹریفک کی روشنیوں کو دیکھ رہی تھیں اور مسلسل سوچ رہی تھیں۔ امتیاز بھائی نے کہا تھا۔ "تمہارے یہ تماشے' حلیہ دیکھ کر لوگ کیا کیا نہ سوچیں گے۔"

اور شاہ جہاں نے سوچا۔ لوگوں کو دوسروں کے بارے میں سوچنے کی کیا ضرورت ہے۔ اتنا وقت کس کے پاس ہے اور اگر سوچیں گے بھی تو بھلا کیا۔ اور یہاں پر جوابات میں تضاد تھا۔ مگر ایک چیز یکساں تھی۔ سب مذاق اڑائیں گے۔ ٹھٹھا لگائیں گے کہ گھر اجاڑ کر کتنی خوش و خرم بیٹھی ہے۔ اسی کا قصور ہو گا۔ ہوتی ہیں بعض عورتیں اس فطرت کی جو اپنی آزادی و خوشی کے لیے سب کچھ قربان کر دیتی ہیں۔ بیٹے کے بغیر کیسی شاداں و فرحاں ہے۔ باپ' بھائیوں نے تو کہا تھا۔ ہم بیٹے کے حصول کے لیے کیس کر دیتے ہیں مگر اسی نے منع کر دیا۔ تھی ہی سخت دل' جب ہی تو آزاد اکیلی رہتی ہے۔ اچھے لباس پہنتی ہے۔ میک اپ... ہنسی مذاق۔

ہاں خوش ہوں تو بے حس ہے۔ جوگ لے لوں' آنسو بہاؤں تو نحوست ڈال رکھی ہے کا طعنہ سنوں۔ تو جب ہر دو صورت سننا ہی ہے تو خوش کیوں نہ رہا جائے۔

بار بار سننے سے لطیفے سے ہنسی غائب ہو جاتی ہے۔ ایسے ہی ایک ہی غم کو زندگی بھر رویا کیسے جا سکتا ہے۔

فضہ گریڈ کے پیارے سے بھولے بھالے بچے کی شکل بھی بھولی ہی نہیں۔ پتا نہیں وہ کہاں ہوگا۔ اسے میں یاد بھی ہوں گی یا... کبھی دل چاہتا ہے' بس ایک بار مل جائے تو اتنا پوچھ لوں' میرے ساتھ ایسا کیوں کیا؟ یا پھر شاید میں ہی غلط تھی۔ ساری کمیاں اور خامیاں میری ہی رہی ہوں گی۔ جب ہی تو سب مورد الزام ٹھہراتے ہیں اور اتنے سارے لوگ ایک ساتھ تو غلط بھی نہیں ہو سکتے۔

وہ آنکھ سے جھر جھر بہتے آنسوؤں کو پونچھنے کا تکلف نہیں کر رہی تھیں۔

نیچے سے دیکھنے والے کو ایک شاندار لبارٹسٹ کی گیلری سے چائے کا مگ انجوائے کرتی' ہوا کھاتی عورت روتی کرلاتی' دکھائی دے بھی نہیں سکتی تھی اور آنسو بھی کب گواہی ہوتے ہیں دکھوں کی۔ کہنے والے ان کو بھی جھوٹا کہہ دیتے ہیں مذاق کو سلا۔

تو شاہ جہاں نے زندگی سے یہ بھی سیکھا کہ رونا اس بات کی ضمانت نہیں بن سکتا کہ آپ سچ مچ دکھی ہیں اور اسی طرح ہنسنا اس چیز کو ثابت نہیں کر سکتا کہ آپ واقعی خوش ہیں۔

اور دیکھنے والے... وہ باتیں ہی بنائیں گے نا تو سن لوں گی۔ اتنے سال سے اور کر کیا رہی ہوں۔ زندگی میں مزید برا کیا ہو سکتا ہے یا اچھا۔ آخری سوچ نے دل کو طمانیت سی دی۔ بعض اوقات بے حسی اور لاتعلقی کتنی سکون بخش لگتی ہے۔

ڈور بیل کی آواز نے شاہی پھوپھو کو بالآخر آنسو پونچھنے پر مجبور کر دیا۔ (وہی کوئی دیکھے گا تو... کیا سوچے گا۔)

☼ ☼ ☼

سترہ یا اٹھارہ برس تک کا ایک لڑکا تھا۔ جو بیل بجانے کے بعد اپنی ایڑی پر گھومتا دروازہ کھلنے کا منتظر تھا۔ خاکی پینٹ' خاکی بوٹ' خاکی جیکٹ اور ملے جلے ملگجے رنگوں کی شرٹ۔ اس کا جوتا اور گھڑی قیمتی تھی۔ لڑکے کے بالوں اور جلد میں بھی ایک ستھرا پن تھا سو ہونٹ کے کونے کو دانت سے بار بار پکڑ لیتا تھا۔

''یہ کون ہے۔'' آئی ڈور سے تفصیلی جائزہ لینے کے بعد انہوں نے الجھ کر سوچا۔ دوبارہ بیل بجی۔ بیل کی آواز سے نووارد کے اضطراب کا پتا چلتا تھا۔ اس کے پیروں کے پاس ایک کمانڈو اسٹائل کا بیگ بھی تھا۔

''کون ہو... کس سے ملنا ہے؟''

''نہیں... وہ مجھے آرزو امتیاز... میرا مطلب ہے یہ آرزو امتیاز کا گھر ہے نا۔'' وہ دروازے سے بالکل منہ جوڑ کر پوچھ رہا تھا۔

''اوہ... آرزو کا گھر وہ سامنے والا ہے۔'' شاہی پھوپھو نے دروازہ کھول دیا۔ مگر حفاظتی چین لٹکتی رہی۔

''تم عاشر کے رشتے دار ہو؟'' نووارد نے بیگ اٹھا کر اپنا رخ سامنے والے گھر کی طرف کر لیا۔

''نہیں' میں آرزو امتیاز کا... وہ میری کزن ہیں۔ میں ان کی پھوپھو کا بیٹا ہوں۔''

جملہ مکمل کرتے ہوئے وہ عاشر کے گھر کی بیل بجا چکا تھا۔ رخ پھیر چکا تھا۔ جب شاہی نے اپنا دروازہ پورا کا پورا کھول دیا۔ شاہ میر کا دھیان ادھر نہیں تھا۔ وہ بہت عجلت اور بے چینی کے عالم میں بیل پہ انگلی رکھ کے بھول گیا تھا۔

شاہی نے اس کا شانہ سختی سے پکڑا تھا اور پلک جھپکتے اس کا رخ اپنی جانب موڑ لیا۔

''اور میں آرزو امتیاز کی پھوپھو ہوں۔''

شاہ میر کسی وہم میں مبتلا نہیں ہوا۔ رخ پھیرتے ہی پہلی نگاہ میں وہ پہچان کی تمام منزلیں طے کر چکا تھا۔ وہ کوئی انہیں بھولا تھوڑی تھا۔ نقش نقش ازبر تھا۔ پھر بااختیار ہو کر انہیں ڈھونڈنے پانے کے لیے جانا سب تھا صدے ہٹ کر بڑا مقصد تھا۔

وہ اس کے پیچھے کیوں نہ آئیں۔ اس سے اتنی محبت کرتی تھیں۔ اس سے لپٹے بغیر انہیں نیند ہی نہ آتی تھی۔ وہ سوچتا' وہ اتنے سالوں سے جاگ رہی ہوں گی کیا؟

اس نے باپ سے ان کے بارے میں پوچھنا چھوڑ دیا تھا سو وہ اس موضوع پر بات کرنے ہی نہ دیتے تھے۔

"تم میرے بیٹے تھے۔ اسی لیے میرے پاس ہو۔ یہ ساری جائیداد' بزنس سب تمہارا ہے۔ تمہیں کس چیز کی کمی ہے۔ انجوائے کرو زندگی۔۔۔ تمہارے باپ نے تمہارے لیے سب کچھ جمع کرلیا ہے۔"

اور سب کچھ میں بس ماں نہیں تھی۔ ماں کا نام بھی نہیں تھا۔ لینا بھی منع تھا۔ وہ بس سوچتا' وہ جدائی میں اندھی نہ ہوگئی ہوں یا بولنا بھول گئی ہوں یا ہنسنا۔

امتیاز بھائی نے کہا تھا۔ شاہ جہاں کو یوں اچھل کود مچاتے اسکرین پر کس کس نے نہ دیکھا ہوگا۔ اللہ جانے کس کس نے دیکھا' نہ دیکھا۔

مگر شاہ میر نے دیکھ لیا' پہچان لیا اور حیران بھی رہ گیا۔

"وہ۔۔ وہ تو۔۔"

وہ متزلزل سوچوں کے ساتھ جی رہا تھا۔ کبھی ان سے گلہ ہوتا کہ وہ اس کے پیچھے کیوں نہ آئیں۔ کبھی خود کو مورد الزام ٹھہراتا۔ اسے جانا چاہیے تھا۔۔۔ وہ مرکز سے ہٹا تھا۔ وہ تو وہیں تھیں نا۔ مگر ہر بار رک جاتا۔

لیکن اب جیسے اضطراب کو کنارہ مل گیا۔ وہ اس کے بغیر اتنی خوش؟

ایک بار پوچھ تو آئے۔ بدگمانی سی بدگمانی۔ باپ کی کہی بہت سی باتیں درست لگنے لگیں۔

مگر ابھی جب۔۔۔ اس نے کہا میں آرزو امتیاز کی پھوپھو کا بیٹا ہوں اور پشت سے آواز ابھری۔

"اور میں آرزو امتیاز کی پھوپھو ہوں۔" ان کے منہ سے نکلا۔

"امی۔۔۔" وہ شاہ جہاں سے لپٹ گیا تھا۔ "میری امی!"

☆ ☆ ☆

اور اس کے بے حد و بے حساب گلوں کے جواب میں شاہ جہاں نے اپنے دل کی ایک ایک بات اسے بتا دی جو کبھی کسی سے نہ کہی تھی اور یہ تو بالکل الگ داستان تھی اس سے۔

جس کی جنت خود اس نے کی تھی۔ کبھی کاٹ کر'

کبھی اضافوں سے۔۔۔ اور اس سے بھی جو جواد اسے بتاتے تھے۔

وہ ان سے خفگی کا اظہار کرنا چاہتا تھا۔ وہ اس سے خفا ہو کر بیٹھی تھیں۔

"بابا مجھے امریکا لے گئے تھے۔ میں وہاں سے آ نہیں سکتا تھا۔ بابا نے مجھے وہاں کے اسکول اور ہاسٹل میں ایڈمیشن کرا دیا۔ میں کہیں جا نہیں سکتا اور مجھ سے ملنے کے لیے ان کے علاوہ کوئی آ نہیں سکتا تھا۔ جیسے میں کسی خفیہ ایجنسی کا ایجنٹ ہوں اور پھر انہوں نے آپ کو اتنا ڈی گریڈ کیا کہ۔۔۔" وہ لب بھینچ گیا۔

میں نے آپ تک پہنچنے کے لیے کتنی محنت کی ہے' شناختی کارڈ بننے کے بعد کرایہ جمع کرنا ویزا حاصل کرنا یہ سب مشکل تھا امی! میں نے آپ سے رابطہ کرنے کے لیے کتنی کوششیں کی ہیں۔" وہ رو پڑا۔

کچھ دیر پہلے بھی شاہ جہاں کی آنکھیں آنسوؤں سے لبریز تھیں۔

اب بھی آنسو۔۔۔

تو طے ہے بابا آنسو کا رنگ ہونا چاہیے تھا۔ خوشی

کے لیے گلابی... سرخ... عنابی... نارنجی... دکھ کے سیاہ... غم کے... سرمئی... اداسی کے... زرد ... سکھ کے... سفید دودھیا...

اور آنسوؤں میں خوشبو بھی ہوتی تو کیا بات تھی۔

دل خوش ہو جائے۔ ناتواں سے اچھوتے خیال ہی آتے ہیں۔ کبھی آزما کر دیکھنا پڑے گا۔

✡ ✡ ✡

عین اسی لمحے بیا سر پکڑے بیٹھی تھی۔ آنٹی کی پیش گوئی کے مطابق اسے خوابوں کا شہزادہ تو مل گیا تھا۔ مگر یہ ایک بھوکا شہزادہ تھا جو ہر شے کھا جانا چاہتا تھا۔ کوئی نصیحت اس پر اثر نہ کرتی تھی۔

بیا کو اس کے لیے من پسند پکوان بنا کر دینا مسئلہ نہیں تھا۔ بات دراصل دکھ کی تھی کہ اگر وہ اتنے اچھے کھانے بناتی تو کیا خود نہ کھاتی۔ یہ ظلم ہوتا اس کی اپنی ذات پر... اسی لیے ایسا کام کیوں کرے، جس سے دل اتنا دکھے۔

ہر لحاظ سے آئیڈیل شوہر میں اتنا بڑا فالٹ (خامی)... کاش کسی طرح پہلے پتا چل جاتا اور ایسا ہی ایک کاشف... ابوذر کے پاس بھی تھا۔ بیوی دل و جان سے پیاری تھی۔ مگر اندازے کی اتنی بڑی غلطی کیسے ہو گئی اور ہو گئی تو ہو گئی۔ مگر اسے سدھارا کیسے جائے۔

دونوں اپنی اپنی جگہ ایک دوسرے کو سدھارنے کی کوشش کر رہے تھے اور خود کو ہی درست سمجھتے تھے۔ سو یہ ایک ایسا سوال تھا، جس کو کسی بھی فارمولے سے حل کیا جائے، جواب غلط ہی آتا ہے۔

اتنے اچھے میاں، بیوی... ہر لحاظ سے آئیڈیل مگر...

آہ...

✡ ✡ ✡

عاشر کو صبح صبح ایراو نے فون کر کے بتا دیا تھا۔ آنزہ آئی ہے... سو رہی ہے۔ عاشر کا دل بند ہوا۔ وہ ابھی تک خفا تھی۔ جب ہی تو اپنے گھر آنے کے بجائے پھوپھو کے گھر آئی۔ غلطی بھی تو اسی کی تھی۔ بس وہ بخار میں مبتلا ہو کے... سر پر چڑھ گیا تھا بخار گھر سے نکلنے ہی کیوں دیا۔

اب ایسا کیا کرے کہ وہ مان جائے... صبح ہوتے ہی ہاتھ پکڑ کر لے آؤں گا۔ چیخے گی چلائے گی مگر میں منا لوں گا۔ اب یہ اتنا بھی مشکل نہیں۔ کان پکڑ لوں گا۔

وہ ہر طریقے سے خود کو قائل کر رہا تھا کہ کس کس طریقے سے اسے منالائے عاشر رومانٹک تھا۔ مگر آنزہ جتنی پریکٹیکل تھی۔ اتنا تو پریکٹیکل لیب ابھی نہیں ہوتا ہوگا۔ موم بتیوں اور گلاب کے سرخ پھولوں کے ساتھ منانا عاشر کو پسند تھا۔ مگر آنزہ نے پچھلی بار گلاب کے جابجا بکھرے پھولوں کو دیکھ کر تاسف کا اظہار کیا تھا۔

"ایسے ہی پھول جابجا بکھیر دیے۔ مجھ سے ایک کالر نے گل قند بنانے کی فرمائش کی تھی۔ ذہن ہی سے نکل گیا۔ اب پلیز یہ جو شاپرز میں موجود ہیں، ان کا حشر نہ کریں۔"

اور اس کے بعد عاشر نے کیا کیا نہ سوچا، وہ جانے یا خدا جانے۔ لیکن ابھی ہاتھ پکڑ کر لانے کا منصوبہ دھرا کا دھرا رہ گیا کہ وہ سو تا رہ گیا۔ جب آنکھ کھلی تو کھڑکی سے دیکھا۔

وہ سیاہ جینز لیمن شرٹ... وہی شاپرز کا ڈھیر اٹھائے اپنی مغرور ادا سے چلتی جا رہی تھی۔ گردو پیش سے بے نیاز... بست چوڑے کالر نے آدھے چہرے کو ڈھانپ رکھا تھا۔

اور میں نے اس "بوجھ" کو زندگی بھر اٹھانے کا عہد کیا تھا۔ عاشر کے دل پر اپنے اس ظلم و ستم پر آرے سے چل گئے تھے۔ یہ تو نے کیا کیا عاشر... خود کو کوسنے کے بعد وہ آنزہ والا کوکنگ چینل کھول کر بیٹھ گیا۔ حالانکہ شو شروع ہونے میں بڑا وقت تھا۔

پھر جب اسکرین پر تیار شیار بے حد پیاری آنزہ امتیاز جلوہ گر ہوئی، تب عاشر دل تھام کر رہ گیا۔ وہ اپنے وہی مخصوص پنیر پکوڑے، براؤن کڑی اور ڈیزرٹ بنا

رہی تھی۔ ساتھ ہی لائیو کالز کا سلسلہ بھی تھا۔

"آنہ جی! کہتے ہیں مرد کے دل کا راستہ معدے سے گزرتا ہے۔ میرے میاں مجھ سے خفا ہیں' پلیز کچھ ایسا پکانا سکھادیں' وہ مان جائیں۔" ایک کالر بن بن کر کہہ رہی تھی۔

آنہ نے چٹکی میں چمچہ لہرا کر آنچ دھیمی کی اور مسکرائی۔

"کھانے کے لیے آلو گوشت بنالیں اور خفگی کے لیے منالیں۔ جیسے کہ میں... سوری عاشو... غلطی میری تھی۔ پلیز۔"

عاشر کے سر پر چھت گر پڑتی تب بھی... کیمرے کی آنکھ میں آنکھ ڈال کر بولتی آنہ کے جملے سے جو جتا ہی دل پہ پا ہوئی۔

"بھئی' میرے میاں خفا ہوں تو میں تو کم از کم ایسے ہی مناؤں۔ اگر آپ غلطی پر ہیں تو پہل کرلینی چاہیے اور اگر غلطی آپ کی نہیں ہو تب بھی آگے بڑھ کر کہہ دیں کہ چلیں اب بس بھی کریں' دوستی کرلیں' انہیں

خود احساس ہوجائے گا۔"

تسلی سے بیٹھا عاشر کھڑا ہوگیا۔ اس کے کانوں میں سائیں سائیں ہونے لگی۔ آنہ اور ایسا انداز... اس نے کالر کا مسئلہ بھی حل کیا۔ معافی بھی مانگ لی اور بات کو سنبھال بھی لیا۔

وہ اپنی کیفیت سمجھنے سے قاصر آنہ کو سننے لگا جو کالر کی فرمائش پر کسی ڈش کے سکھا دینے کا وعدہ کررہی تھی۔

اور ابھی پروگرام کے آخری پانچ منٹ باقی تھے۔ جب تیمور نے بھابھی کہہ کر انگلی سے کچھ ایسے اشارے کیے جو آنہ کے سر سے گزرے' پھر اس نے دیکھا' کیمرہ مین سے بہت پیچھے وہ عاشر تھا۔ دونوں ہاتھ کان پر دھرے تھے' چہرہ شرمسار۔

"شیراز کو سارا پروگرام دے دیا تھا۔ ناک سے لکیریں کھینچنے کی عملی پریکٹس بھی کی تھی' دیکھو میری سرخ ناک... مگر بس پھر میں سوتا رہ گیا۔"

"مجھے کسی کی گواہی نہیں چاہیے۔" آنہ مسکرائی۔ "کہانی ختم۔"

اور تیمور سوچ رہا تھا۔ زندگی میں ایک آہ کی کسک رہ جاتی ہے' رہ جانی بھی چاہیے کہ پھر زندگی جمود کا شکار نہ ہوجائے۔ رواں مکمل چیزوں کو ان کے ذرا سے نقص کے ساتھ تولنا چاہیے۔

کاملیت اور پرفیکشن ملنی ناممکن ہے کہ جب انسان خطا کا پتلا ہے۔

شاہ میر سوچ رہا تھا۔ باپ مل گیا تھا۔ اب ماں سے بھی مل لیا۔ مگر دونوں سے اکٹھے ایک جگہ شاید کبھی نہ مل سکے۔ وہی ایک کمی۔ ایک کسک' "آہ" بننے میں وہی رہ جاتی ہے۔

ایراد کے دل سے بھی دھواں اٹھتا تھا۔ اتنی کامیابی' اور اتنی ناکامی کیا کیا نہ سوچا تھا۔ ایک دوسرے کے نام سے مشہور تو ہوگئے۔ مگر دل پھر بھی خوش نہ ہوا' "آہ" ہائے۔

اور ان سب سے پرے شاہد آفریدی سوچ رہا تھا۔ اتنی کم عمری پیاری فین کا جاکر شکریہ ادا کرنا فرض بنتا ہے۔

آپ جتنے بھی بڑے کھلاڑی ہوں' کتنا بھی اچھا پرفارم کرلیں۔ اگر آپ کے کانوں میں ہمت بڑھاتے جملے اور نعرے نہ پڑیں تو مورال کیسے ڈاؤن ہوجاتا ہے۔

لیکن وہ بس تصاویر دیکھ کر ہی شکر گزار ہوسکتا تھا۔ اگر ڈھونڈ ڈھانڈ کر ایک ملاقات کو چلا بھی جائے تو مبادا کا تو پتا ہے نا کیسے بر کا کو بنا لیتے ہیں۔

سو اس نے بھی ایک ٹھنڈی آہ بھری اور صفحہ پلٹ دیا۔